

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ

نام :	نثر رضا کے ادبی جواہر پارے
مولف :	محمد حسین مُشاہد رضوی
کمپوزنگ :	مُشاہد بہ دست خود
سرورق :	شفیق رشید آرٹسٹ، مالیگاؤں
صفحات :	48
سن اشاعت :	2011ء
تعداد :	پانچ سو
ہدیہ :	دعاے خیر بہ حق معاومین
مطبع :	عتیق رشید آرٹسٹ
ناشر :	محمد اسماعیل رضا برکاتی (مالیگاؤں)

رابطہ

محمد حسین مُشاہد رضوی ابن عبدالرشید

سروے نمبر ۳۹ پلاٹ نمبر ۱۴، نیا اسلام پورہ مالیگاؤں-423203

ضلع ناسک، مہاراشٹر، موبائل: 9021761740 / 9420230235

ملنے کا پتہ

دفتر آل انڈیائی سنی جمعیت العلماء، نزد اکھاڑہ مسجد، مالیگاؤں
سٹی بک ڈپو، نزد قصاب باڑہ مسجد، محمد علی روڈ، مالیگاؤں
مدینہ کتاب گھر، نزد مدینہ مسجد، اولڈ آگرہ روڈ، مالیگاؤں

نثر رضا کے ادبی جواہر پارے

ڈاکٹر محمد حسین مُشاہد رضوی، مالیگاؤں

برائے ایصالِ ثواب

بزرگانِ خاندانِ برکات، مارہرہ مطہرہ و

مرحومہ خاتونِ جتن، مرحوم حاجی احمد، مرحومہ حلیمہ بنت عبدالرشید برکاتی،

شاعر اسلام مداح رسول مرحوم الطاف انصاری سلطان پوری

ناشر: ادارہ دوستی، ۸۴۲ رکمال پورہ، مالیگاؤں (ناسک)

بہ موقع عرسِ رضا ۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۱ء

حرفے چند

ناچیز کو ہائی اسکول کے زمانہ طالب علمی میں ہی کچھ تو اساتذہ کی مہربانیوں اور کچھ ادب پسند دوستوں کی رفاقت سے اردو شعر و ادب سے شغف پیدا ہو گیا تھا۔ اسباق و منظومات کے شروع میں شعرا و مصنفین کے کوائف میں ان کی کتابوں اور رسالوں کے بارے میں اجمالاً معلومات درج رہا کرتی تھیں۔ لائب ریری سے ان کتب و رسائل کو حاصل کر کے ان کے مطالعہ کا ذوق و شوق بھی اسی دوران پروان چڑھا، کتابیں پڑھنے کے بعد ان پر اچھا خاصا تبصرہ بھی ہوتا۔ لڑکپن ہی سے اردو ادب کی اچھی خاصی کتابیں مطالعہ سے گزر چکیں۔ جب شعور میں مزید بالیدگی آئی تو اردو ادب کی تاریخ پر لکھی گئی کتابیں پڑھنے کے مواقع میسر آئے۔

چوں کہ گھریلو ماحول کی وجہ سے امام احمد رضا محدث بریلوی جیسے عظیم اسلامی مفکر کی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہیں۔ جب تاریخ اردو ادب پر لکھی گئی کتابوں کو پڑھنے کا اتفاق ہوا تو میں حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا گیا کہ آخر ان کتابوں میں امام احمد رضا جیسے عظیم المرتبت ادیب و شاعر، محقق و مصنف کا ذکر کیوں نہیں؟ یہ سوال بار بار کچوکے لگا تا رہا۔ لہذا اسی دوران میرے دل میں پیش نظر مقالہ ”نثر رضا کے ادبی جواہر پارے“ قلم بند کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس کی ترتیب و تہذیب راقم نے جولائی ۲۰۰۰ء میں کی تھی۔ ایک صاحب کے پاس بہ غرض مطالعہ دیا گیا اُن سے یہ مقالہ نہ جانے کہاں رکھا گیا؟ صد شکر کہ ۶ سال کے بعد یہ دوبارہ دست یاب ہوا، اسی وقت اس کی طباعت کا خیال ہوا لیکن اشاعت کے لیے بعض دشواریاں مانع رہیں، بہ ہر کیف! یہ مقالہ آپ کے ہاتھوں میں اس کی ترتیب کے دس سال سے بھی زائد عرصہ کے بعد آ رہا ہے۔ میں اس کی اشاعت میں دل چسپی کا مظاہرہ کرنے والے احباب کا ممنون ہوں۔

رب عز وجل رسول کو نبی ﷺ کے صدقہ و طفیل ہمیں دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین بجاہ الحبیب الامین صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد حسین مُشاہد رضوی، مالیگاؤں

۸/ ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ / ۱۵/ نومبر ۲۰۱۰ء، بروز پیر

انتساب

ہر اُس منصف مزاج ادیب و ناقد، مورخ و محقق اور ادب پسند طالب علم کے نام

جس کا ادب کے تئیں یہ نظریہ ہے کہ :

”ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ کرنا اور اپنے مخالف عقیدے و نظریے کے مقلد افراد کی اعلا ترین علمی و ادبی کاوشات سے صرف نظر کرنا؛ ادب کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے.....“

محمد حسین مُشاہد رضوی

ابتدائیہ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحمت والا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

مولانا شاہد رضا نعیمی اشرفی لکھتے ہیں :

”ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ میرے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے اور میں اپنی ناپسندیدگی کو دوسروں کی پسندگمان کرنے والوں میں بھی نہیں ہوں لیکن اردو ادب کا طالب علم جب ۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب کے بعد ادب کی روشنی میں اپنا ذہنی سفر شروع کرتا ہے تو حیرت اُسے ضرور ہوتی ہے؛ اگر نہیں ہوتی تو ہونی چاہیے اور اگر اس ”چاہیے“ کا بھی انکار ہے تو حقیقتیں ہر دور میں اتنی باختیار ضرور ہوتی ہیں اور رہیں گی جب حقائق کی اُن مٹ طاقتوں نے محض تخیلاتی نظریات کے پہاڑ کو چکنا چڑ کر دیا ہے ”ایٹم“ کی سہ زکئی حقیقت نے نیوٹن کا بھرم اگر توڑا ہے، صورت و معنی کی کشمکش میں اگر معنی کو غلبہ حاصل ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فاضل بریلوی کی ادبی و لسانی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے ذہنی و علمی دنیا کی یہ وہی مایوس کن منزل ہے جہاں اپنوں سے شکوہ شکایت کو ”شدید اپنائیت“ کی خوب صورت تاویل کا لبادہ پہنا دیا جاتا ہے۔ میں بھی کرب و کسک کی اُس منزل پر ہوں جہاں مجھے اپنوں سے شکوہ ہے لیکن سوچتا ہوں کہ اپنا کون ہے؟ اس لیے یہ کہہ دینا ہی عافیت بخش ہے کہ مجھے سب سے شکوہ ہے، کاش! ہماری جماعت کے لوگ فاضل بریلوی کے اس رُخ پر لکھتے تو آج حامد حسن قادری، رام بابو سکسینہ، نسیم قریشی، عبدالسلام ندوی کی تاریخ ادب کی کتابیں ”ذکر رضا“ سے نا آشنا نہ ہوتیں۔“

(مولانا شاہد رضا نعیمی اشرفی: امام احمد رضا اور اردو ادب، المیزان کا امام احمد رضا نمبر ۶، ۱۹۷۷ء، ص ۵۰۷)

اردو ادب کی تاریخ کے اس سب سے بڑے ایسے کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، یہ ہماری بد قسمتی ہے اور ناقابل تردید حقیقت بھی..... کہ ہمارے مورخین و ناقدین نے اردو ادب کی تاریخ مرتب کرتے وقت عصبیت کا شکار ہو کر اور عقیدے کی عینک چڑھا کر اردو ادب کی تاریخ لکھی ہے؛ چنانچہ یہی گروہی عصبیت اور جانب دارانہ رویہ امام احمد رضا محدث بریلوی کی ادبی و لسانی خدمات کو تاریخ ادب کی کتابوں سے دُور کیے ہوئے ہے۔ اس ضمن میں ممتاز ناقد و محقق ڈاکٹر وزیر آغا کی یہ تحریر پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا:

”پچھلے دنوں ایک نجی محفل میں ایک بزرگ نقاد نے کسی تازہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: میرے لیے اس کتاب کا پسند کرنا ناممکن ہے اس لیے کہ یہ تو میرے عقائد ہی کے خلاف ہے؛ اور میں سوچنے لگا کہ ادب کی پرکھ کے سلسلے میں اگر عقیدہ کسوٹی مان لیا جائے تو اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔“

مضمون کے اختتام پر ڈاکٹر آغا صاحب نے یوں لکھا ہے کہ :

”اگر نقاد اپنے کسی عقیدے کے تحت ادب کو پرکھنے کی کوشش کرے اور ہر اس ادب پارے کو گردن زنی قرار دے دے جو اس کے عقیدے کے مطابق نہیں تو پھر ادب کا خدا ہی حافظ ہے۔“

(ڈاکٹر وزیر آغا: تنقید و احتساب)

ڈاکٹر وزیر آغا کی محولہ بالا عبارت میں مولانا شاہد رضا نعیمی کے درد و کرب کا جواب موجود ہے؛ شعراے اردو کے تذکرہ نگاروں اور اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے والے مورخین و ناقدین نے مسلکی عصبیت کو بروئے کار لاتے ہوئے امام احمد رضا جیسے عظیم المرتبت ادیب و شاعر بل کہ ”شہنشاہِ اقلیمِ سخن“ کے ذکرِ خیر سے اپنی کتابوں کو خالی رکھا ہے اور آپ کی علمی و ادبی، لسانی و فکری اور دینی و ملی خدمات کو یک سر نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ اس میں کچھ اپنوں کی بھی کوتاہیاں شامل ہیں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جس قدر تعصب کا برتاؤ امام احمد رضا محدث بریلوی کے ساتھ ہوا ہے اتنا کسی دوسرے اسلامی مفکر کے ساتھ نہیں ہوا ہوگا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اردو زبان و ادب کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اُسے آبِ زر سے لکھا جائے تو بھی کم ہے۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں جب کہ اردو کا دامن اصولِ تحقیق اور لسانی مصطلحات سے مبرہ تھا۔ آپ نے اپنی تصنیف ”حجب العوارض عن مخدوم بہار“ میں تحقیق کے مبادیات و مصطلحات، صحت

نسخہ صحت متون، اتصال سند، تواتر، تداول، احتیاط نقل و استدلال پر علمی و تحقیقی بحث فرمائی ہے اور اس فن کے لیے اصول و ضابطہ وضع کیے۔

تحقیق و ریسرچ میں صحت نسخہ اور صحت متون کو اساسی اہمیت حاصل ہے دیکھا گیا ہے کہ محققین بھی اس کی پروا نہیں کرتے اور ہر چھپی ہوئی کتاب سے استفادہ کر کے استدلال و استناد کرتے ہیں اور اس کے مندرجات کو بلا تامل مصنف سے منسوب کر دیتے ہیں۔ امام احمد رضا نے تحقیق کے جو اصول پیش فرمائے ہیں ان سے آپ کی احتیاط بھی عیاں ہوتی ہے اور آپ کے مرتب کردہ اصول اور جدید محققین کی مدون کردہ مصطلحات کے تقابلی مطالعہ سے آپ کا معیار تحقیق بہت ہی ممتاز نظر آتا ہے۔ امام احمد رضا کے ان اصولوں پر تحقیقی بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری (میسور یونیورسٹی، کرناٹک) کا یہ تجزیہ قابل توجہ ہے، موصوف راقم ہیں:

”فخر و اعتماد کے ساتھ جس مستند محقق کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے محققوں کی بزم میں پیش کیا جاسکتا ہے کم از کم انیسویں اور بیسویں صدی میں اس افتخار کا سہرا محقق بریلوی کے فرق اقدس پر جتنا ہے اور ہر اعتبار سے آپ ہی اس کے حق دار ہیں۔“

(ڈاکٹر امجد رضا امجد: اردو میں مذہبی ادب کا تنقیدی مطالعہ، پیغام رضا، ۱۹۹۶ء، ص ۱۶۷)

امام احمد رضا محدث بریلوی ایک طرف تو جدید تنقید و تحقیق کے اصولوں سے دنیا سے اردو ادب کو اس وقت متعارف کرا رہے تھے جب کہ اردو تنقید و تحقیق کا دامن ان باریکیوں سے یک سر خالی تھا، تو دوسری طرف اس کے برعکس اردو ادب کے مورخین نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی ادبی و لسانی خدمات و اثرات کے ساتھ ایسا سنگین برتاؤ کیا جو انتہائی درجہ قابل افسوس ہے۔ مذہبی ادب کے معروف ناقد ڈاکٹر امجد رضا امجد (پٹنہ) کا یہ منصفانہ تجزیہ لائق مطالعہ ہے:

”مگر تاریخ اردو کے مورخین نے اس نابغہ روزگار شخصیت کے ساتھ جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ایک سنگین جرم ہے اور اردو کے علمی ذخائر کے ساتھ خیانت بھی..... ارباب علم و دانش اس خلا کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور احساس بیدار ہوتے ہی وہ سراپا سوال بن جاتے ہیں۔ چنانچہ دور جدید کے ایک مذہبی محقق و مفکر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی مظہری کا ایک دل گداز بیان پڑھیے:

’تاریخ و ادب کی کتابوں میں نہ جانے کیوں اس عظیم انسان کو نظر

انداز کیا گیا..... ارباب علم و دانش حیران ہیں..... یکم ستمبر ۱۹۲۷ء کو بریلی جانا ہوا..... وہاں ایک ملاقات میں ڈاکٹر وسیم بریلوی (صدر شعبہ اردو و جیل کھنڈ یونیورسٹی) نے باتوں باتوں میں فرمایا..... اردو ادب کی کتابوں میں امام احمد رضا کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟..... یہ غفلت کیوں برتی گئی؟..... وسیم بریلوی سراپا سوال بن گئے.....“ (ایضاً ص ۱۶۸)

امام احمد رضا محدث بریلوی کی نثر نگاری اپنے عہد کے نام ور علما و ادبا کے مقابل خاص کی چیز ہے۔ آپ کی نثر عمدہ اور اعلا ترین ہے۔ آپ کے معاصر میں جن اشخاص کا مقابلہ آپ کی مہتم بالشان شخصیت سے کیا جاتا ہے ان کی نثر نگاری آپ کے سامنے بالکل بچکانہ نظر آتی ہے اور وہ افراد امام احمد رضا محدث بریلوی کے سامنے طفل مکتب نظر آتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم عصروں کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہمارے اس خیال کی تصدیق و توثیق کے لیے یقیناً آپ بھی مجبور ہو جائیں گے۔ چنانچہ مشہور ادیب و شاعر اور ممتاز دانش ور پروفیسر ڈاکٹر صابر سنہلی (وظیفہ یاب صدر ریڈر ایم ایچ۔ پی جی، کالج، مراد آباد) نے تحقیق و مطالعہ کے بعد اپنی حتمی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے :

”امام احمد رضا کے دور میں کچھ اور لوگ بھی نثر لکھ رہے تھے، مولوی قاسم نانوتوی کی ایک کتاب ’تحذیر الناس‘ راقم السطور کی نظر سے گزر رہی ہے۔ فقیر کو علمیت میں کوئی دخل نہیں لیکن تھوڑی بہت فارسی سمجھ لیتا ہے اس کے باوجود ’تحذیر الناس‘ جو اردو کی کتاب بتائی جاتی ہے، سر سے گزر گئی..... مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کی نثر کوئی پہچان نہیں بنائی یوں بھی ان دونوں کی نثر بچکانہ ہے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جدید علمی نثر کے فروغ کا کام سرسید اور امام احمد رضا نے ہی کیا ہے۔“

(ڈاکٹر صابر سنہلی: اردو نثر نگاری میں امام احمد رضا کا حصہ، مشمولہ: سرمایہ افکار رضا، ممبئی، ستمبر ۱۹۹۹ء، ص ۱۰)

امام احمد رضا نے اپنی اردو نثر میں موضوع کی صحیح فہمائش پر زور دیا اور اپنے افکار و خیالات کی وضاحت و صراحت کے لیے گجٹک اسلوب نگارش کو نہیں اپنایا اور نہ ہی آپ کی تحریروں میں تصنع اور بناوٹ کا کہیں شائبہ گزرتا ہے؛ جیسا کہ عہد رضا ہی کے ایک مشہور نثر نگار مولانا ابوالکلام آزاد؛ کہ جنہوں نے اپنی اردو تحریروں میں عربی و فارسی کی تراکیب سے اپنے اسلوب کو

سجانے کے لیے قاری کو الفاظ و معنی کی بھول بھلیوں میں گم کر دیا ہے اور اپنے زورِ بیان کی نمائش و زیبائش کرنے کے لیے انھوں نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس میں بہ ظاہر تو لطف محسوس ہوتا ہے لیکن یہ اہل نقد و نظر جانتے ہیں کہ ابولکلام آزاد کے اسلوب میں مصنوعی طرزِ بیان نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بل کہ بعض ناقدین نے تو آزاد صاحب کی تحریروں کو انانیتی ادب سے بھی تعبیر کیا ہے۔ جب کہ امام احمد رضا کی تحریریں ان معائب سے پاک و صاف اور فطری انداز لیے ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں امام احمد رضا کی نثر نگاری پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی (صدر شعبہ اردو بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار) کا یہ بیان اہمیت کا حامل ہے:

”انھوں نے موضوع ہی کو اصل و اساس سچی تحریر سمجھا؛ اس لیے ان کا سارا زورِ بیان اپنے افکار و خیالات کے موثر ابلاغ کے لیے وقف ہے ان کی نظر اس حقیقت سے واقف تھی کہ حقائق کی زمین اس قدر سنگلاخ ہوتی ہے کہ باطل خیالات ہیشے کے برتن کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں اس لیے انھوں نے اپنے اسلوب نگارش کو مزین کرنے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی۔ اس کے باوجود ان کے جملوں کی ترتیب میں ایک مخصوص آہنگ ملتا ہے۔ جو عربی و فارسی تراکیب سے مملو ہونے کے باوجود سماعت کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا بل کہ کانوں میں رس گھولتا نظر آتا ہے۔

امام احمد رضا کے عہد میں اگرچہ علی گڑھ تحریک کے زیر اثر سلیس و با محاورہ نثر نگاری کی روایت چل پڑی تھی؛ تاہم بہت سارے اہل قلم حضرات قدیم اسلوب نگارش سے پیچھا نہیں چھڑا سکے تھے فارسی کے مخصوص طرز کے زیر اثر ایسے اہل قلم اپنی تحریروں میں صنائع و بدائع کا استعمال کرتے تھے اور اپنی قادر الکلامی اور زورِ بیان کی نمائش کرنے کی غرض سے مقفّٰ عبارت آرائی کے بھی دل دادہ تھے..... لیکن امام احمد رضا نے کبھی ایسی پُرتضع عبارت آرائی کی کوشش نہیں کی ان کا مقصد اعظم دین کی تجدید و تبلیغ تھا اور ایک مجید و مبلغ مصنوعی طرزِ بیان سے کام نہیں لیتا اس لیے انھوں نے ہر جگہ فطری اندازِ بیان اختیار کیا تاکہ ان کی زبان میں از دل نیرد بدل ریزد کی شان باقی رہے۔“

(ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی: امام احمد رضا اور اردو ادب، مشمولہ: مسلم ٹائمز، جون ۲۰۰۰ء، ص ۵)

درج بالا تجزیے سے یہ بات آفتابِ نیم روز کی طرح روشن و نمایاں ہو جاتی ہے کہ۔
ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکتے بٹھا دیئے ہیں

امام احمد رضا اپنے معاصر نثر نگاروں میں سب سے ممتاز و منفرد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمی و ادبی حیثیت کو منصف مزاج اربابِ علم و دانش نے خوب خوب سراہا ہے۔ شعراے اردو کے تذکرہ نگاروں اور اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے والے مورخین و ناقدین نے امام احمد رضا جیسے عظیم ادیب و شاعر کی علمی، ادبی، لسانی اور تعلیمی خدمات کا تذکرہ نہ کر کے اردو ادب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ انصاف نہیں کیا ہے بل کہ آپ کی شخصیت کو ناقابلِ اعتنا سمجھ کر ایک سنگین جرم اور بڑی ادبی خیانت بھی کی ہے..... ویسے میری نظر میں اردو ادب کی تاریخ میں امام احمد رضا کا ذکر نہ ہونا ”امام“ کے لیے ”باعثِ محرومی“ نہیں بلکہ یہ تو ”اردو ادب“ کی ”حرمانِ نصیبی“ ہے کہ وہ امام احمد رضا جیسے عظیم المرتبت مردِ جلیل اور شہنشاہِ اقلیم سخن کے ذکرِ خیر سے خالی ہے۔

بہر کیف! حقیقتیں ہر دور میں اپنا لوہا منوائی اور حقائق کی ان مٹ طاقتوں سے بے بنیاد باتوں کے تار و پود بکھیر کر لوگوں کو صداقت آشنا کرتی رہی ہیں..... یہی وجہ ہے کہ آج ساری دنیا میں امام احمد رضا پر مطالعہ و تحقیق کا جو سلسلہ دراز ہوا ہے وہ بے مثال و بے نظیر نظر آتا ہے۔ آج اکنافِ عالم میں امام احمد رضا کے افکار و خیالات اور نظریات کی دھو میں مچی ہوئی ہیں لوگ آپ کے بحرِ علم و عمل سے سیراب ہو کر اپنی تنگیِ بھار ہے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی کا یہ مصرعہ آج خود ان پر صادق آتا ہے کہ ع

گونج گونج اٹھے ہیں نعماتِ رضا سے بوستاں

پیش نظر مقالہ میں امام احمد رضا کے ان نثری جواہر پاروں کو جمع کرنا مقصود ہے جنہیں اردوے معلّا کا حسین ترین گلِ دستہ اور اردو زبان و ادب کی شیرینی و حلاوت کا عظیم ترین شاہ کار قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہذا آپ کی ”صرف چند کتب و رسائل“ سے چیدہ چیدہ اقتباسات مع حوالہ جات نقل کیے جاتے ہیں یہ بات ذہن نشین رہ کہ اگر آپ کی تمام تر مطبوعہ تصانیف سے ایسے اقتباسات جمع کیے جائیں تو کئی ضخیم مجلدات تیار ہو جائیں۔

آئیے اب ورق اُلٹیے اور اردوے معلّا کے حسین و جمیل گل بوٹوں کی چاشنی و لطافت سے محفوظ ہوتے ہوئے امام احمد رضا کی قادر الکلامی کا نظارہ کیجیے۔

(۱) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم جانِ دین و ایمان ہے۔ آیت کریمہ : ان ارسلناک شاحداً و مبشراً و نذیراً لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَزَّوْهُ وَتُقَرِّوْهُ وَتَسْبَحُوْهُ بِکَرٍ وَّاصِلًا۔ (سورہ فتح ۲۶، ع ۹)

کے تحت امام احمد رضا کا ادبی شہ پارہ خاطر نشین فرمائیں۔ عبارت کی سلاست و روانی اور زبان کی عمدگی اور دل کشی قاری کو ایک عجیب طرح کی لذت سے سرشار کرتی جاتی ہے :

”مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجے، قرآن مجید اتارنے کا مقصود ہی تمہارا مولا تبارک و تعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے اول یہ کہ لوگ اللہ و رسول پر ایمان لائیں..... دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کریں..... سوم یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو! سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو اس لیے کہ بغیر ایمان تعظیم کا رآمد نہیں بہتیرے نصارا ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضات کا فران لیم میں تصنیفیں کر چکے، لکچر دے چکے، مگر جب کہ ایمان نہ لائے کچھ مفید نہیں کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے، پھر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو عمر بھر عبادت الہی میں گزارے، سب بے کار و مردود ہے..... بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کر کے اپنے طور پر ذکر و عبادت الہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضرعیں لگاتے ہیں..... مگر از انجا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کیا فائدہ؟ اصلاً قابل قبول بارگاہ الہی نہیں.....“

(امام احمد رضا بریلوی: تمہید ایمان بآیات قرآن ۱۳۲۶ھ، رضا اکیڈمی، مالگاواں ۱۹۹۲ء، ص ۲)

(۲) آریاؤں کا عقیدہ ہے کہ ایشور ہر جگہ رہا ہوا ہے اور وہ ہر شخص کے آگے دس انگلی کے فاصلے پر موجود ہے اس باطل خیال کی امام احمد رضا نے کس درجہ اچھوتے تنقیدی انداز سے دھجیاں بکھیری ہیں وہ قابل دید ہے۔ منکرین توحید و رسالت پر طنز کا لطیف مگر کاٹ دار انداز قاری کو متاثر کرتا ہے :

”دس انگلی کے فاصلے پر ہر آدمی کے بیٹھا ہے تو ہر جگہ کب ہوا پھر دو آدمی کے آمنے سامنے دس انگلی کے فاصلے پر ہوں تو ایشور آٹھ انگلی ہر ایک کے پیٹ میں گھسا ہوا ٹھہرا..... جب ہر جگہ رہا ہوا ہے فرض کرو ایک شخص نے دور سے اس کے جوتا مارا، تو یہ فضا جس میں جوتا چل کر اس کے بدن تک گیا اس میں بھی ایشور تھا یا نہیں..... نہ کیوں کر ہوگا کہ وہ سب جگہ ہے اور جب یہاں بھی تھا تو جوتا آتے دیکھ کر ہٹ گیا یا جوتا اس کے اندر سے ہوتا ہوا گزرا..... ہٹ تو نہیں سکتا ورنہ ہر جگہ کب رہا؟ یہ جگہ خالی ہو جائے گی ضرور جوتا اس میں ہو کر گزرا..... عجیب ایشور ہے کہ جوتے سے پھٹ گیا..... پھر اس شخص کے جس حصہ بدن پر جوتا پڑا، وہاں بھی ایشور تھا یا نہیں؟ نہ کیسے ہوگا ورنہ ہر جگہ نہیں رہے گا، اور جب وہاں بھی نہ تھا تو اب بتاؤ کہ یہ جوتا کس پر پڑا؟..... کاش! زرا اُلٹا ہوتا تو پاؤں پر لگتا، سیدھا بھی ہے تو سر پر پڑا..... یہ ہیں آریہ اور اُن کے ایشور..... کیا انھوں نے خدا کو جانا؟.....“

(امام احمد رضا بریلوی: العطا یا انبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۴ء، ج ۱، ص ۷۳۹)

(۳) امام احمد رضا بریلوی نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی جیسے بھیا تک ترین جرم کے مرتکب طبقے کی سرکوبی میں سرگرمی سے حصہ لیا اور اہانت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مملو مکتبہ دیوبند کے علما کی عبارتوں پر حکم شرعی کے لیے علمائے حرمین شریفین کی طرف رجوع کیا..... ۱۳۲۴ھ میں علمائے حرمین سے موصولہ فتاویٰ کو ”حسام الحرمین“ کے نام سے ایک کتاب تالیف فرما کر شائع کیا۔ جس میں علمائے حرمین شریفین نے باطل عقائد و نظریات رکھنے والے حضرات کو ایمان و اسلام سے خارج بتایا۔ امام احمد رضا نے یہ فتوا خود نہیں لکھا بلکہ علمائے حرمین شریفین کے فتاویٰ کو یک جا کر کے شائع کیا۔ بایں سب آپ مختلف بے بنیاد الزامات کی زد میں آگئے اور آپ کے بارے میں یہ جھوٹا اور مکروہ پروپیگنڈہ مخالفین کی طرف سے پوری شد و مد کے ساتھ کیا جانے لگا کہ آپ بات بات میں مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ امام احمد رضا نے خود پر عائد کیے جانے والے بے بنیاد الزامات کے تار و پود بکھیرتے ہوئے صداقت کا برملا اظہار کیا ہے، زبان و بیان اور اسلوب کے اعتبار سے یہ نثری شہ پارہ امام احمد رضا کی اعلا ترین ادبیت کو آشکار کرتا ہے۔ روزمرہ محاورات کے برجستہ استعمال سے قاری کیف آگیاں جذبات سے آشنا ہو جاتا ہے۔ نشانِ خاطر فرمائیں گراں قدر ادبی جوہر پارہ :

”ناچار عوامِ مسلمین کو بھڑکانے اور دن دھاڑے اُن پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوے تکفیر کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ ذرّہ سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں..... ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں..... اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا..... مولوی اسحاق کو کہہ دیا..... مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا..... پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ! حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا..... حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا..... شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا..... مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب کو کہہ دیا..... پھر جو پورے حدّ حیا سے اونچے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذُ اللہ عیاذُ اللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دیا.....

غرض! جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے کر انھوں نے اسے کافر کہہ دیا..... یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگوں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جا کر جڑی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا..... مولانا کو اللہ تعالیٰ جنتِ عالیہ عطا فرمائے، انھوں نے آیہ کریمہ ان جاءکم فاسق بنبیا فتبینوا پر عمل فرمایا..... خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ ”انجاء البری عن وسواس المفتری“ لکھ کر ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لا حول شریف کا تحفہ بھیجا.....“

(امام احمد رضا بریلوی: تمہیدِ ایمان بآیات قرآن ۱۳۲۶ھ، رضا اکیڈمی، مالگاو ۱۹۹۲ء، ص ۱۲)

(۴) امام احمد رضا کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک گوشہ کھلی کتاب کی طرح روش و تاب ناک ہے آپ نے از خود کسی اہل قبلہ یا اہل کلمہ کی کبھی بھی تکفیر نہیں کی بل کہ جو حضرات اپنے کفریہ عقائد و نظریات کی بنیاد پر خود ہی دائرۃ اسلام و ایمان سے خارج ہو گئے تھے اور اپنے آپ کو دین اسلام کا رہبر و رہنما اور داعی و مبلغ کہہ رہے تھے۔ ایسے رہزنوں کے مکر و فریب سے امام احمد رضا نے باخبر کیا اور عامۃ المسلمین کی صحیح رہنمائی کا فریضہ خیر انجام دیا نہ کہ بات بات میں کفر کے فتاوے دیے۔ ایسے جھوٹے اور بے بنیاد الزامات کے بارے میں حضرت امام راقم ہیں۔ اسلوب کی دل کشی ہمیں متوجہ کرتی ہے :

”مسلمانو! تمہیں اپنا دین و ایمان اور روزِ قیامت حضور بارگاہِ رحمن یاد دلا کر استفسار ہے کہ جس بندہ خدا کی دربارہ تکفیر یہ شدید احتیاط..... جلیل تصریحات ہو..... اس پر تکفیر تکفیر کا افترا کتنی بے حیائی..... کیسا ظلم..... کتنی گھٹونی ناپاک بات ہے..... مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اور وہ جو کچھ فرماتے ہیں قطعاً حق فرماتے ہیں..... اذا لم تستح فاصنع ما شئت..... جب تجھے حیاء نہ رہے تو جو چاہے کر..... ع بے حیا باش ہر چہ خواہی کن.....“

(امام احمد رضا بریلوی: تمہیدِ ایمان بآیات قرآن ۱۳۲۶ھ، رضا اکیڈمی، مالگاو ۱۹۹۲ء، ص ۲۸)

(۵) سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں آمد پر وہاں کے کیف و نشاط میں ڈوبے ہوئے مناظر کو اس طرح الفاظ و تراکیب کا جامہ پہنا کر بیان کیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ مناظر نگاہوں کے سامنے موجود ہیں۔ تصویریت اور منظر کشی کا لطف تحریر کے حسن کو دو بالا کر رہا ہے :

”اللہ اللہ! ایک وہ دن تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے..... زمین و آسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں..... خوشی و شادمانی ہے کہ درود یوار سے ٹپکی پڑتی ہے..... مدینے کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہو رہا ہے..... باجھیں کھلی جاتی ہیں کہ دل سینوں میں نہیں سماتے..... سینوں پر جامے تنگ..... جاموں میں قبائے گل کارنگ..... نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے..... فرش سے عرش تک نور کا بقعہ بنا ہوا ہے..... پردہ نشین کواریاں شوق دیدارِ محبوب کردگار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ ۔

طلع البدر علینا من ثنیاات الوداع
وجبت شکر علینا مادعا للہ داع
بنی نجار کی لڑکیاں کو بچے کو بچے مجنونہ سرائی ہیں کہ ۔
نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا محمد من جار

(۶) مدینہ طیبہ تشریف آوری کے اس دل کش و دل نشین احوال کو بیان کرنے کے بعد حجۃ الوداع کے قیام کی منظر نگاری بھی دیدنی ہے، اب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جہاں

سے رخصت ہے۔ عبارتِ رضا بریلوی میں چاشنی و لطافت اور سلاست و روانی کے ساتھ ساتھ حزنِ پہلو بھی موجود ہے جو ہمیں بھی کرب کے احساس سے آشنا کرتا ہے۔ یہ نثری شہ پارہ بھی اردوے معلّا کا ایک شاہ کار ہے اس میں ہم قافیہ الفاظ کے استعمال میں نادرہ کاری بھی ہے :

”ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے..... مجلسِ آخری وصیت ہے..... مجمع تو آج بھی وہی ہے..... بچوں سے بوڑھوں تک، مردوں سے پردہ نشینوں تک سب کا ہجوم ہے..... ندائے بلال سنتے ہی چھوٹے بڑے سینوں سے دل کی طرح بے تابانہ نکلے ہیں..... شہر بھر نے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیے ہیں..... دل کھلائے..... چہرے مرجھائے..... دن کی روشنی دھیمی پڑ گئی کہ آفتاب جہاں تاب کی وداعِ نزدیک ہے..... آسمان پر مردہ..... زمین افسردہ..... جدھر دیکھو ستائے کا عالم..... اتنا ازدحام اور ہڑکا مقام..... آخری نگاہیں اُس محبوب کے روئے حق نما تک کس حسرت و یاس کے ساتھ جاتی اور ضعیفِ نومیدی سے ہلکان ہو کر بے خودانہ قدموں پر گر جاتی ہیں..... فرطِ ادب سے دل بند گردل سے صدا بلند ۔

كنت السواد لناظري
فعمي عليك الناظر
من شاء بعدك مليمت
فعليك كنت احاذر

اللہ کا محبوب، امت کا راعی، کس پیار کی نظر سے اپنی پالی ہوئی بکریوں کو دیکھتا اور محبت بھرے دل سے انہیں حافظِ حقیقی کے سپرد کر رہا ہے..... شانِ رحمت کو اُن کی جدائی کا غم بھی ہے..... اور فوج فوج امنڈتے ہوئے آنے کی خوشی بھی کہ محنت ٹھکانے لگی..... جس خدمت کو ملک العرش نے بھیجا تھا باحسن الوجہ انجام کو پہنچی۔

نوح کی ساڑھے نو سو برس کی وہ سخت مشقت..... اور صرف پچاس شخصوں کو ہدایت..... بیس تیس ہی سال میں بھمک لیا یہ روز افزوں کثرت..... کنیز و غلام جوق در جوق آرہے ہیں..... جگہ بار بار تنگ ہوتی جاتی ہے..... دفعہ دفعہ ارشاد ہوتا ہے..... آنے والوں کو جگہ دو..... آنے والوں کو جگہ دو..... اس عام دعوت پر جب مجمع ہولیا ہے..... سلطانِ عالم نے منبر پر قیام کیا ہے

..... بعد حمد و صلاۃ اپنے نسب و نام و قوم و مقام و فضائل کا بیان ارشاد ہوا ہے..... مسلمانو! خدا را پھر مجلسِ میلاد اور کیا ہے؟..... وہی دعوتِ عام وہی مجمعِ تام..... وہی منبر وہی قیام..... وہی فضائلِ سید الانام علیہ علی آلہ الصلاۃ والسلام..... مجلسِ میلاد اور کس شے کا نام..... مگر نجدی صاحبوں کو مٹانے سے کام..... و رہنا الرحمن المستعان و بہ الاعتصام و علیک التکلان.....“

(امام احمد رضا بریلوی: جزاء اللہ بابائے ختم النبوت ۱۳۱۶ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۷۰/۷۲)

(۷) امام احمد رضا بریلوی اسلامی دنیا کے ایک ایسے مظلوم مفکر گذرے ہیں جن کی بے داغ شخصیت پر بے جا تنقیدات اس حد تک کی گئی ہیں جیسی کسی دوسری اسلامی شخصیت پر نہیں کی گئی ہوں گی۔ حضرت رضا بریلوی کے مخالفین و معاندین نے آپ کی ذات و الاصفات کو مجروح کرنے کی نیت سے نت نئے بے بنیاد الزامات و اتہامات کا یہ سلسلہ اب بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں میں سے آپ پر ایک الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ آپ انگریزوں کی حمایت کیا کرتے تھے..... اس موقع پر عصرِ رواں کے معروف محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی نقشِ بندی (افسوس! ڈاکٹر موصوف کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے، رب عزوجل ان کی مغفرت فرمائے، آمین) کی یہ تحریر بے اختیار نوکِ قلم پر آگئی ہے لہذا اُسے نذرِ قارئین کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ ڈاکٹر موصوف امام احمد رضا پر انگریز نوازی کے الزام کی سختی سے تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ہاں! جس نے الزام لگایا اُس کا دامن داغِ دارِ نظر آیا اور جس پر الزام لگایا وہ بے داغِ نظر آیا..... یہ وہ مقام ہے جہاں حیرت کو حیرت ہے.....“

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی: گناہ بے گناہی، الجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۸)

امام احمد رضا کو انگریزوں اور ان کی مصنوعات، ادویہ، سیاہی، کپڑے اور دیگر اشیاء سے بے طرح نفرت تھی حتیٰ کہ آپ ڈاک ٹکٹ بھی الٹا چسپاں کیا کرتے تھے کیوں کہ اس پر انگریزی حکمران کی تصویر چھپی رہتی تھی۔ رشحاتِ رضا بریلوی سے چند عبارتیں ذیل میں نشانِ خاطر فرمائیں جن سے آپ کی انگریزوں کے تئیں شدید نفرت کا اظہار ہوتا ہے نیز یہ عبارتیں اردو ادب کا شاہ کار بھی ہیں، صبح و مقفا جملے ہمیں اپنی گرفت میں لیتے ہیں اور بے ساختہ داد دینے کے لیے مجبور کرتے ہیں :

”اللہ اللہ! یہ قوم..... یہ قوم، سراسر بوم..... یہ لوگ، یہ لوگ جنہیں عقل سے لاگ..... جنہیں جنون کا روگ..... یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں!..... انا للہ وانا الیہ راجعون!.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۳)
(۸) انگریزی تہذیب و تمدن اور نصارا سے تشبہ کے بارے میں امام احمد رضا کا یہ تنقیدی انداز قابل ملاحظہ ہے :

”نصارا کی یہ غلامی کہ پھر نیچر نے تھامی..... لیڈر جس کے اب زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی..... اس کے نتائج، تشبہ وضع و تحقیر شرع..... شیعوں دہریت و فروغ نیچریت مطاقی نہ تھے بلکہ التزامی.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الحجة الموثقة فی آیۃ الممتحنة ۱۳۳۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۴)
(۹) امام احمد رضا کی خصوصیات میں سب سے نمایاں آپ کا عشق رسول مقبول صلی اللہ وسلم میں والہانہ وفدا کا رانہ سرشار رہنا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی حیات طیبہ کے نصب العین میں یہ بھی ہے کہ حضور حتمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات کہنے اور لکھنے والوں کا تعاقب کرنا۔ آپ کا قلم ایسے افراد کے لیے برہنہ شمشیر کا درجہ رکھتا تھا۔ نگارشاتِ رضا میں جہاں عشق ہی عشق کے جلوے بکھرے نظر آتے ہیں وہیں گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکوبی کا کاٹ دار لب و لہجہ بھی عیاں ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے اس خاص مشغلہ کو بہ طور تحدیثِ نعمت اپنی نظم و نثر دونوں میں بیان کیا ہے۔ اندازِ بیان میں سلاست و صفائی، اظہارِ صداقت میں باکپن اور زبان کے استعمال میں ادبیانہ مہارت و ہنرمندی کے گل بوٹے لائقِ دید ہیں :

”حضراتِ نجد یہ خدا را انصاف! کیا افعالِ عبادت سے بچنا انبیاء و اولیاء ہی کے معاملہ سے خاص ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شرک کے کام جائز نہیں۔ جو شرک ہے ہر غیر خدا کے ساتھ شرک ہے تو آپ حضرات جب اپنے کسی نذیر بشیر یا پیر فقیر یا مرید رشید یا دوست عزیز کے یہاں جایا کیجیے تو راستے میں لڑتے جھگڑتے، ایک دوسرے کا سر پھوڑتے، ماتھا رگڑتے چلا کیجیے۔ ورنہ دیکھو کھلم کھلا مشرک ہو جاو گے۔ ہرگز مغفرت کی بڑ نہ پاؤ گے کہ تم نے غیر حج کی راہ میں ان باتوں سے بچ کر وہ کام کیا جو اللہ نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتایا تھا اور اس جوتی پیزار میں یہ نفع کیسا ہے کہ ایک کام

میں تین مزے، جلال ہونا تو خود ظاہر اور جب بلا وجہ ہے تو فسوق بھی حاضر اور رفت کے معنی نامعقول بات کے ٹھہرے تو وہ بھی حاصل؛ ایک ہی بات میں ایمانِ نجدیت کے تینوں رکنِ کامل و لاحول و لا قوۃ الا باللہ العظیم۔ الحمد للہ خامہ برق بارِ رضا خرمین سوزی نجدیت میں سب سے نرالا رنگ رکھتا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔“

(امام احمد رضا بریلوی: مدنیۃ اللیب ان التشریح بید الحیب ۱۳۱۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۰)
(۱۰) ندوۃ العلماء لکھنؤ کا جب قیام عمل میں لایا گیا تو اس کے آغاز میں ہوئی نشست میں امام احمد رضا بریلوی نے بھی شرکت کی لیکن بعد میں ندوۃ العلماء کی آزاد خیالی اور بڑھتی ہوئی گمراہیت سے امام احمد رضا نے علاحدگی اختیار کر لی اور امت مسلمہ کو اس کی ضلالت و گمراہی سے آگاہ فرماتے ہوئے تحریکِ رندوہ چلائی۔ رندوہ برکھی گئی ایک کتاب کی عبارت ذیل اردوے معلّا اور مقفا نثر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ بے ساختگی، برجستگی، محاورات اور زورِ بیان کے اعتبار سے یہ عبارت قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہے :

”مسلمانو! بحمد اللہ تعالیٰ اس فتوے نے حجتِ الہیہ قائم کر دی ندوہ و ندویان و جملہ مبتدعان کی اندرونی و بیرونی ضلالتوں کی جزا کاٹ دی..... گردن کتر دی..... اب جو نہ دیکھے..... کان نہ دھرے..... حق سمجھنے کا قصد نہ کرے..... روزِ قیامت اس کے لیے کوئی عذر نہ ہوگا..... دنیا چند روزہ ہے..... واحد قہار سے کام پڑتا ہے..... اللہ! ایک ذرا تعصب و خن پروری سے جدا ہو کر تفکر کرو..... تنہائی قبر و ہنگامہ محشر کا تصور کرو..... اس دن نامہ اعمال کھولے جائیں گے..... اس بھڑکتی آگ کو سامنے لائیں گے..... اہل سنت نجات پائیں گے..... ان کے مخالف نارِ جہنم میں دھکے کھائیں گے..... مخالفوں کے ساتھی مخالفوں کے ساتھ ایک رسی میں باندھے جائیں گے..... آزمیری، مجسٹریٹی، ڈپٹی کلکٹری، ججی وغیرہ منصب کام نہ آئیں گے..... صدارت، نظامت، رکنیت وغیرہ ہا یہ سب بکھیڑے یہیں رہ جائیں گے..... ہر ایک اپنی اکیلی جان سے، اپنے اعمال، اپنے ایمان سے بارگاہِ عدالت میں حاضر ہوگا..... ہر دل کا راز ظاہر ہوگا..... کوئی جھوٹا حیلہ ہرگز نہ چلے گا..... بات بنانے کو راستہ نہ ملے گا..... عالم الغیوب سوال کرے گا..... دانائے قلوب اظہار لے گا

..... وہاں یہ کہتے نہ بنے گی ہم غافل تھے..... کچھ مولویوں نے بہکا دیا، ہم جاہل تھے..... آج کام اپنے اختیار میں ہے..... رحمت الہی توبہ کے انتظار میں ہے..... انصاف کی آنکھ ہولو..... حق و باطل میزان عقل میں تو لو..... وہ کام کر چلو کہ بول بالا ہو..... اللہ و رسول سے منہ اُجالا ہو..... دیکھو دیکھو! آنکھ کھول کر دیکھو!..... یہ مبارک تحقیقیں..... یہ مقدس تصدیقیں..... تمہارے معبود عظیم کے شہر سے آئیں..... تمہارے نبی کریم کے شہر اطہر سے آئیں..... سلیس اردو میں ترجمہ ہو گیا..... حق کا آفتاب بے پردہ و بے حجاب جلو انما ہو گیا..... اب اگر آنکھ اٹھا کر نظر نہ ڈالو..... اپنی اندھیری کوٹھری سے سر باہر نہ نکالو..... تو تمہیں کہو کہ کیا عذر کرو گے..... واحد قہار کو کیا جواب دو گے..... گھنٹوں بلکہ مہینوں قانون کا نون، دنیوی فنون یا ناولوں افسانوں اخباروں دیوانوں کے مطالعہ میں گزارتے ہو..... خدا کو مان کر، قیامت کو حق جان کر ایک نظر ادھر بھی..... مگر اس کے ساتھ تعصب و نفسانیت سے قطع نظر بھی..... خدا نے چاہا تو یہ اوراق تمہیں بہت کام آئیں گے..... بڑے ہول ناک صدموں کے دن سے بچائیں گے..... پھر بھی اگر نازک مزاجی آڑے آئے..... مرزا نشی اپنا رنگ جمائے کہ کون اتنے اجزا دیکھنے میں وقت گنوائے..... تو جانے دو یہ تمہارا ہی خواہ تمہارا خیر طلب ایک بہت آسان طریقے سے عارض مطلب..... مختصر خلاصہ حاضر کرتا ہے..... اب اس کے دیکھنے میں کیا دن گذرتا ہے اسی کے ملاحظہ سے عقائد و اعمال کی تصحیح کیجیے.....“

(امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ الحرمین برہنہ ندوۃ المین ۱۳۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۴/۲)

(۱۱) قدیم نثر کی ایک قسم مقفا نگاری ہے۔ اسے لکھنے کے لیے زیادہ علم اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی کو مقفا نثر لکھنے میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ لیکن اس کے لیے جتنا وقت چاہیے تھا وہ آپ کے پاس نہیں تھا۔ پھر بھی آپ کا اسلوب انتہائی نکھر ا ہوا ہے، حیرت ہوتی ہے کہ یہ ایک عالم کی نگارشات ہیں یا ادیب کامل کی..... مندرجہ بالا عبارات میں مقفا نثر کے نمونے موجود ہیں ذیل میں مزید چند مثالیں ہدیہ ناظرین ہیں :

(الف): ”وہی دعوت عام وہی مجمع تام..... وہی منبر وہی قیام..... وہی فضائل سید الانام علیہ علی آلہ الصلاۃ والسلام..... مجلس میلاد اور کس شے

کانام..... مگر نجدی صاحبوں کو مٹانے سے کام..... ورنہ الرحمن المستعان وہی الاعتصام وعلیک التحکمان.....“

(امام احمد رضا بریلوی: جزاء اللہ بابائے ختم النبوت ۱۳۱۶ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۷۲)

(ب): ”نصوص کے دریا ہیں جھلکتے..... اور حجت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاند جھکتے..... اور تعظیم حضور کے سورج دھکتے..... اور ایمان کے تارے جھلکتے..... اور حق کے باغ مہکتے..... اور تحقیق کے پھول لہکتے..... اور ہدایت کے بلبل چھکتے..... اور نجدیت کے کوئے سسکتے..... اور وہابیت کے بوم بلکتے..... اور مذہب بوح گستاخ پھڑکتے.....“

(امام احمد رضا بریلوی: خالص الاعتقاد ۱۳۲۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۴۷)

(ج): ”اس دارِ ناپائدار سے رخصت ہوتے..... مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز پسر..... بتولی زہرا کے لختِ جگر..... علی مرتضیٰ کے نورِ نظر..... حسن و حسین کے قرۃ بصر..... محی سنت ابی بکر و عمر..... صلی اللہ تعالیٰ علیٰ الحبيب وعلیہم وسلم.....“

(امام احمد رضا بریلوی: انہار الانوار من یم الصلاة الاسرار ۱۳۲۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۴۷)

(د): ”ایک اور تین میں فرق نہ جانیں..... ایک خدا کے تین مانیں..... پھر ان تین کو ایک ہی جانیں..... بے مثل بے کفو کے لیے بیٹا ٹھہرائیں..... وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں..... اس کے گوشت پر دانت رکھیں.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۸)

(ه): ”تحریر مذکور صواب سے بے گانہ..... فقاہت سے بر کرانہ..... محض بے بنیاد کورانہ ہے۔“

(امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۴ء، ج ۳، ص ۷۳۸)

(و): ”نہ ایسی نقل مجہول کسی طرح قابل قبول..... نہ ایسا ناقل التفات کے قابل..... نہ اس پر شرع سے کوئی دلیل اور قول بے دلیل مرد و و ذلیل.....“

(امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۴ء، ج ۳، ص ۷۳۸)

(ز): ”نہیں معلوم کیسی کتاب..... کس کی کتاب..... اُس کی کیا عبارت، کیا مفاد..... ناقل نے کیا سمجھا، کیا مراد..... خود ناقل کو جزم نہ

اعتماد..... کہ طرز بیان سے تہری عہدہ مستفاد.....“

(امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۲ء، ج ۳، ص ۷۳۸)

(ح): ”الحمد للہ آفتاب عالم تاب..... حق و صواب..... بے نقاب و

حجاب، شک وارتیاب جلوہ فرماے منظر احباب ہوا..... اب کیا حاجت کہ
حشویات زائدہ و لغویات بے فائدہ کے رد و ابطال میں تصحیح وقت کیجیے.....“

(امام احمد رضا بریلوی: وصاف الرجیح فی مسئلۃ التراتجیح، ۱۳۱۲ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۶۵)

(ط): ”یہ کنجھیاں جو اب پھوٹیں، جب کہاں تھیں؟..... یہ پتیاں

جواب نکلیں، پہلے کیوں نہاں تھیں؟..... یہ پتلی پتلی ڈالیاں جواب جھوٹی ہیں،

نوپیدا ہیں..... یہ کنجھیاں جواب مہکتی ہیں تازہ جلوانما ہیں.....“

(امام احمد رضا بریلوی: اقامۃ القیام علی طاعن القیام لنبی التہامہ ۱۲۹۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۵۸)

(ی): ”نصارا کی یہ غلامی کہ پرنیچر نے تھامی..... لیڈر جس کے اب

زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی..... اس کے نتائج، تہذیب و تہذیر

شرع..... شیوع و ہریت و فروغ و نچہریت مطاقی نہ تھے بلکہ التزامی.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الحجۃ الموترۃ فی آیۃ المخریۃ ۱۳۳۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۳)

(ک): ”مسلمان صحیح العقیدہ ان کی طرف التفات ہی کیوں کریں؟

ایسوں کا علاج حضور میں خاموشی..... اور غیبت میں فراموشی..... اور اٹھتے

بیٹھتے ہر وقت ہر حال اپنے محبوب بے مثال صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی

زیادہ گرم جوشی.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الامن والعلنی لناعنی المصطفیٰ بدافع البلاۃ ۱۳۱۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۶/۵)

(۱۲) امام احمد رضا محدث بریلوی کو اردو، عربی، فارسی زبانوں پر یک ساں ملکہ

حاصل تھا۔ آپ نے اپنی نثر میں عربی اور فارسی الفاظ و تراکیب کا بڑی خوب صورتی سے استعمال

کیا ہے۔ عربی و فارسی تراکیب کے استعمال کے باوجود اردو کی یہ نثر قاری پر بوجھل محسوس نہیں

ہوتی بل کہ وہ اس طرز اظہار سے مکمل طور پر لطف اندوز ہوتا ہے :

”زیر نظر مسئلہ کے متعلق سرائے سخن کے کناروں سے دو چمکتے

ہوئے ستارے لائے ہیں..... ایک کا لٹمس والضحیا اور دوسرا القراذاتہا.....

جو شخص صحت مند آنکھ اور قابل نور علم رکھتا ہے اس کی بصارت و بصیرت کو ان

ستاروں کی کاہف ظلمات و تجلیات سے اچھی طرح کامیابیاں مہیا اور مبارک

ہوں.....“

(امام احمد رضا بریلوی: مجموعہ رسائل نور اور سایا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۲۹)

(۱۳) امام احمد رضا محدث بریلوی کی نثر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ابہام کے عیب

سے پاک ہے۔ انہوں نے ابوالکلام آزاد کی طرح الفاظ و تراکیب کی بھول بھلیاں بنا کر اپنی نثر کو

چیتاں نہیں بنایا، جو بات ہے صاف ہے، جو مسئلہ ہے واضح ہے۔ ایک اچھی اور عمدہ نثر کی یہی

سب سے بڑی خوبی ہے کہ قاری فہم معنی میں دقت نہ محسوس کرے۔ غرض کا عام رنگ یہ ہے :

”آج کل بہت بے علم اس مضمضہ کے معنی کلی کے سمجھتے ہیں۔

کچھ پانی منہ میں لے کر اگل دیتے ہیں کہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارے تک

نہیں پہنچتا۔ یوں غسل نہیں اترتا نہ اس غسل سے نماز ہو سکے، نہ مسجدوں میں

جانا جائز ہو، بل کہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہہ میں، دانتوں کی

جڑ میں، دانتوں کی کھڑکیوں میں، حلق کے کنارے تک ہر ہڈے پر پانی بہے،

یہاں تک کہ اگر کوئی سخت چیز پانی کے بہنے کو روکے گی دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں

میں حائل ہے تو لازم ہے کہ اس کو جدا کر کے کلی کرے، ورنہ غسل نہ ہوگا۔

ہاں! اگر اس کے جدا کرنے میں حرج و ضرر و اذیت ہو جس طرح پانوں کی

کثرت سے جڑوں میں چوننا جم کر مخر ہو جاتا ہے کہ جب تک زیادہ ہو کر آپ

ہی جگہ نہ چھوڑے، چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا۔ یا ان عورتوں کے دانتوں میں

مستی کی ریخیں جم جاتی ہیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مصرت

کا اندیشہ ہے تو جب تک یہ حالت رہے گی معافی ہوگی۔“

(امام احمد رضا بریلوی: تبیان الوضوء ۱۳۱۴ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۶/۵)

(۱۴) امام احمد رضا بریلوی نے ایک ہزار کے لگ بھگ کتابیں تصنیف فرمائیں تو

آپ یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے اپنی بات کو جگہ جگہ زبردستی طول دیا ہوگا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ تو

امام احمد رضا محدث بریلوی کی عادت کریمہ تھی کہ مسئلہ کا کوئی بھی پہلو تشبیہ نہیں چھوڑتے تھے مسائل

کی ہر طرح سے تسلی و تشفی ہو جائے؛ یہ بات ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا کرتی تھی۔ لیکن بات کو

اختصار و جامعیت کے ساتھ ختم کرنے کا پہلے خیال رکھتے تھے۔ ایسی مثالیں تو بہ کثرت ہیں۔

یہاں صرف ایک ہی مثال پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

ایک استغنا آیا کہ زید کی ران میں پھوڑا یا کوئی اور بیماری ہے ڈاکٹر کہتا ہے پانی یہاں نقصان کرے گا۔ مگر صرف اسی جگہ پر مضر ہے اور بدن پر ڈال سکتا ہے۔ اس حالت میں وضو یا غسل کے لیے تیمم درست ہے یا نہیں؟..... اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے اور حسبِ عادت حوالوں کی کثرت سے جواب خاصا طویل ہو گیا ہے لیکن نفس مسئلہ کا جواب اس قدر ہے جو کہ قابلِ مطالعہ ہے جس سے امام احمد رضا کی فقہی بصیرت و بصارت کا پتہ چلتا ہے اور کم سے کم جملوں میں جامعیت کے ساتھ طویل مفہوم کو آسانی سے قلم بند کرنے کی صلاحیت کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ جو کہ آپ کی قادر الکلامی کی بین دلیل ہے :

”الجواب: صورتِ مسئلہ میں غسل یا وضو کسی کے لیے تیمم جائز نہیں، وضو کے لیے تو نہ جائز ہونا ظاہر کہ ران کو وضو سے کوئی علاقہ نہیں اور غسل کے لیے یوں ناروا کہ اکثر بدن پر پانی ڈال سکتا ہے۔ لہذا وضو تو بلاشبہ تمام و کمال کرے اور غسل کی حاجت ہو تو مضرت اگر صرف ٹھنڈا پانی کرتا ہے گرم نہ کرے اور اسے گرم پانی پر قدرت ہے تو بے شک پورا غسل کرے۔ اتنی جگہ کو گرم پانی سے دھوئے۔ باقی بدن گرم یا سرد جیسے سے چاہے اور اگر ہر طرح پانی مضر ہے، یا اگر مضرت نہ ہوگا مگر اسے اس پر قدرت نہیں تو ضرر کی جگہ بچا کر باقی بدن دھوئے اور اس موضع پر مسح کرے، اور اگر وہاں مسح بھی نقصان دے، مگر وہ دوا یا پٹی کے حائل سے پانی کی دھار بہا دینی مضرت نہ ہوگی تو وہاں اس حائل پر ہی بہا دے، باقی بدن بدستور دھوئے اور اگر حائل پر بھی پانی بہانا مضر ہو تو دوا یا پٹی پر مسح ہی کر لے۔ اگر اس سے بھی مضرت ہو تو اتنی جگہ خالی چھوڑ دے۔ جب وہ ضرر دفع ہوتا جتنی بات پر قدرت ملتی جائے بجالاتا جائے۔“

(امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۴ء، ج ۱ ص ۴۶۱)

(۱۵) ۱۸۹۷ء میں ایک عیسائی پادری نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں تو ہے کہ زچہ کے پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ حال آں کہ ہم نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس سے یہ راز سربستہ معلوم ہو جاتا ہے۔ پادری کی باتوں سے ایک مسلمان کے ایمان میں شک و شبہ پیدا ہو گیا اور اندیشہ تھا کہ وہ کہیں مرتد نہ ہو جائے، چنانچہ خلیفہ اعلیٰ حضرت: حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی، مدیر تحفہ حنفیہ، پٹنہ (والد گرامی محقق و ناقد قاضی عبدالودود صاحب) نے آپ کی بارگاہ میں ایک استغنا ارسال کیا جس کے جواب میں آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرما کر مسئلے

کے تمام پہلوؤں پر عالمانہ بحث فرمائی اور قاہرہ دلائل پیش کیے اور آخر میں عیسائیوں کے بے سرو پا عقائد پر زبردست فکری تنقید کی۔ ذیل کی عبارت میں سلاست و روانی اور فکری جولانی پر خاص توجہ دیجیے۔ یہاں امام احمد رضا ایک مفتی کے ساتھ قادر الکلام ادیب و انشا پرداز نظر آتے ہیں:

”سبحان اللہ! اللہ کہاں..... رب السموات والارض..... عالم

الغیب والشہادۃ سبحنہ وتعالیٰ اور کہاں کوئی بے تمیز..... لوٹگا..... ہیولی.....

ہٹھ..... ناپاک..... ناشایستہ..... کھڑے ہو کر مومتے والا مع

ہیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوتی

خدارا! انصاف وہ عقل کے دشمن..... دین کے رہ زن..... جنم

کے کودن..... ایک اور تین میں فرق نہ جانیں..... ایک خدا کے تین ماںیں.....

پھر ان تین کو ایک ہی جانیں..... بے مثل..... بے کفو کے لیے جو رو بتائیں

..... بیٹا ٹھہرائیں..... اس کی پاک بندی، ستھری، کنواری، پاکیزہ، بتول مریم

پر ایک بڑھئی کی جو رو ہونے کی تہمت لگائیں..... پھر خاوند کی حیات..... خاوند

کی موجودگی میں جو بچہ ہو اُسے دوسرے کا گائیں..... خدا اور خدا کا بیٹا ٹھہرا کر

..... ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں..... ادھر آپ اس کے خون کے

پیاسے، بوٹیوں کے بھوکے..... روٹی کو اس کا گوشت بنا کر در در چبائیں.....

شراب ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں..... دنیا

یوں گزری..... ادھر موت کے بعد کفارے کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم

بھجوائیں..... لعنتی کہیں، ملعون بنائیں..... اے سبحان اللہ! اچھا خدا جسے سولی

دی جائے..... عجب خدا جسے دوزخ جلائے..... طرفہ خدا جس پر لعنت آئے

..... جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے..... اے سبحان اللہ! باپ کی خدائی اور بیٹے کو

سولی..... باپ خدا، بیٹا کس کھیت کی مولیٰ؟..... باپ کے جہنم کو بیٹے ہی سے

لاگ..... سرکشوں کی چھٹی، بے گناہ پر آگ..... امتی ناجی..... رسول ملعون

..... معبود پر لعنت..... بندے مامون..... تف تف!..... وہ بندے جو اپنے ہی

خدا کا خون چکھیں..... اس کے گوشت پر دانت رکھیں..... اُف اُف!..... وہ

گندے جو انبیاء و رسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چار بھی جن سے گھن

کھائیں..... سخت فحش بے ہودہ کلام گڑھیں..... اور کلام الہی ٹھہرا کر
پڑھیں..... زہ زہ بندگی!..... خدہ تعظیم!..... پہ پہ تہذیب!..... قدہ تعلیم!.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الصمصام علی مشکک فی آیہ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۸)
(۱۶) ایک فلسفی عالم مولوی محمد حسن سنہلی نے ”لمنطق الجدید لناطق النالہ الحدید“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں غیر اسلامی اور خالص فلسفیانہ نظریات پُر زور انداز میں بیان کیے۔ فلسفیوں کا عقیدہ ہے کہ خالق کائنات واحد جل جلالہ کے علاوہ اور دس خالق ہیں۔ (معاذ اللہ)..... اس باطل عقیدے کی امام احمد رضا بریلوی نے دھجیاں بکھیرتے ہوئے فلاسفہ کے رد میں ایک جامع کتاب ”مقام الحدید علی خد لمنطق الجدید ۱۴۰۴ھ“ تحریر فرمائی۔ جس میں بڑی حسین و جمیل ترتیب کے ساتھ احسن الحائقین اللہ جل شانہ کی عظمتوں کا بیان کرتے ہوئے: یہ بتایا ہے کہ اللہ عز وجل کس طرح ایک انسان کو بناتا ہے اور اس کے اندر اپنی قدرتِ کاملہ سے روح ڈالتا ہے؟ نیز نظام انہضام کس کی عطا سے ہوتا ہے؟ ذیل کی عبارتِ رضا سے آپ کی اعلا سائنسی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ موضوع بہ ظاہر خشک ہے لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی جیسے قادر الکلام ادیب نے ادبی چاشنی و لطافت سے اسے پُر لطف بنا دیا ہے۔ یہ بھی نگارشاتِ رضا کا ایک عمدہ ادب پارہ ہے :

”ہر بدن میں اس کے کام: کہ غذا پہنچاتا ہے..... پھر اسے روکتا ہے..... پھر ہضم بخشتا ہے..... پھر سہولتِ دفع کو پیاس دیتا ہے..... پھر پانی پہنچاتا ہے..... پھر اس کے غلیظ کو رقیق، کُوج کو مُزِلق کرتا ہے..... پھر مُفَلِّک کیلوں کو امعا کی طرف پھینکتا ہے..... پھر ماءِ ساریقا کی راہ سے، خالص کو جگر میں لے جاتا..... وہاں گیمؤس دیتا ہے..... تلچھٹ کا سودا، جھاگوں صفرا، کچے کا بلغم، کچے کا خون بناتا ہے..... فضلہ کو مٹانہ کی طرف پھینکتا ہے..... پھر انھیں باب الکبد کے راستہ سے عروق میں بہاتا ہے..... پھر وہاں سہ بارہ پکاتا ہے..... بے کار کو پسینہ بنا کر نکالتا ہے..... عطر کو بڑی رگوں سے جد اول، جد اول سے سَوَاقی، سَوَاقی سے باریک عروق، پیچ در پیچ، تنگ بر تنگ راہیں چلاتا ہوا، رگوں کے دہانوں سے اعضا پر اوٹھ دیتا ہے..... پھر یہ مجال نہیں کہ ایک عضو کی غذا دوسرے پر گرے..... جو جس کے مناسب ہے اُسے پہنچاتا ہے..... پھر اعضا میں چوتھا طبع دیتا ہے کہ اس صورت کو چھوڑ کر صورتِ عضویہ لیں

..... ان حکمتوں سے، بقائے شخص کو، ماتحتل کو عوض بھیجتا ہے..... جو حاجت سے بچتا ہے اُس سے بالیدگی دیتا ہے..... اور وہ ان طریقوں کو محتاج نہیں، چاہے تو بے غذا ہزار برس جلانے، اور نمائے کامل پر پہنچائے..... پھر جو فضلہ رہا اُسے منی بنا کر صلب و ذرائب میں رکھتا ہے..... عقد و انعقاد کی قوت دیتا ہے..... زن و مرد میں تالیف کرتا ہے..... عورت کو باوجود مشقتِ حمل و صعوبتِ وضع، شوقِ بخشا ہے..... حفظِ نوع کا سامان فرماتا ہے..... رحم کو اذنِ جذب دیتا ہے..... پھر اُس کے امساک کا حکم کرتا ہے..... پھر اسے پکا کر خون بناتا ہے..... طبع دے کر گوشت کا ٹکڑا کرتا ہے..... پھر اُس میں کلیاں، کچھیاں نکالتا ہے..... قسم قسم کی ہڈیاں، ہڈیوں پر گوشت، گوشت پر پوست، سیکڑوں رگیں، ہزاروں عجائب..... پھر جیسی چاہے تصویر بناتا ہے..... پھر اپنی قدرت سے رُوح ڈالتا ہے..... بے دست و پا کو ان ظلمتوں میں رزق پہنچاتا ہے..... پھر قوت آنے کو، ایک مدت تک روکے رہتا ہے..... پھر وقتِ معین پر حرکت و خروج کا حکم دیتا ہے..... اُس کے لیے راہ آسان فرماتا ہے..... مٹی کی مورت کو پیاری صورت، عقل کا پتلا، چمکتا تارا، چاند کا ٹکڑا دکھاتا ہے..... فُتحرک اللہ احسن الحائقین..... اور وہ ان باتوں کا محتاج نہیں، چاہے تو کروڑوں انسان پتھر سے نکالے، آسمان سے برسالے.....

ہاں! بتاؤ وہ کون ہے جس کے یہ سب کام ہیں؟..... قَسْمُکَؤُلُونِ اللہ..... اب کہا چاہتے ہیں کہ اللہ..... تو فرما پھر ڈرتے کیوں نہیں؟..... آمنا باللہ وَحْدَهُ..... آہ آہ!! اے مُفکلفِ مُسکین! کیوں اب بھی یقین آ یا یا نہیں کہ تدبیر و تصرف اسی حکیمِ علیم کے کام ہیں؟..... جل جلالہ و عم نوالہ..... فبآتی حدیث بعدہ یؤمنون.....“

(امام احمد رضا بریلوی: مقام الحدید علی خد لمنطق الجدید ۱۳۰۴ھ، المجمع الاسلامی، مبارکپور ۱۹۸۶ء، ص ۱۶/۱۷)
(۱۷) مروجہ تعزیریہ داری جیسی بدعت کی امام احمد رضا بریلوی نے زبردست مخالفت فرمائی اور آپ نے اپنی ایک کتاب میں اس کی خوب خبر لی۔ عبارتِ ذیل قابلِ مطالعہ اور اردو کا ایک بہترین شہ پارہ ہے اس میں آپ نے جا بجا مقفا جملوں کو برجستہ استعمال کر کے اس عبارت کو اردو نثر کا حسین ترین گل دستہ بنا دیا ہے :

”ہر جگہ نئی تراش، نئی گڑھت..... جسے اُس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت..... پھر کسی میں پریاں ہیں کسی میں بُراق..... کسی میں اور بے ہودہ طمطراق..... پھر کوچہ بہ کوچہ اشاعتِ غم کے لیے اُن کا گشت..... اور ان کے گرد سینہ زنی و ماتم سازی کی شور آگئی..... کوئی تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے کوئی مشغولِ طواف..... کوئی سجدے میں گرا ہے کوئی ان مایہ بدعات کو معاذ اللہ! جلوہ گاہِ حضرت امام علیؑ جدہ وعلیہ الصلاۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک وعتی سے مرادیں مانگتا، منتیں مانتا، حاجت روا جانتا ہے..... پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل اس پر طرہ ہیں.....“

چند سطروں بعد مزید راقم ہیں :

”اب بہارِ عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے، بجتے چلے طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم..... بازاری عورتوں کا ہر طرف جھوم..... شہوانی میلوں کی پوری رسوم..... جشن یہ کچھ، اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہ حضراتِ شہدائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جنازے ہیں..... کچھ نوح اتار باقی توڑتاڑ، باقی دفن کر دیے، یہ ہر سال اضاعتِ مال کے جرم و وبال جدا گانہ ہیں..... اللہ تعالیٰ صدقہ حضراتِ شہدائے کربلا علیہم الرضوان والٹما کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے اور بری باتوں سے توبہ عطا فرمائے (آمین).....“

(امام احمد رضا بریلوی: اعلیٰ الافادۃ فی تعزیۃ الہند و بیان الشہادۃ ۱۳۲۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۸ء، ص ۵/۴)

(۱۸) امام احمد رضا محدث بریلوی بریلوی طبعاً عربی و فارسی پسند تھے۔ آپ کے رشحاتِ خامہ میں اس کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ عام ہندوستانی بول چال کے الفاظ کے استعمال پر بھی قدرت رکھتے تھے اور موقع محل کے اعتبار سے روزمرہ کی زبان میں بھی بلا تکلف گفتگو کر سکتے تھے، شاعری کی طرح آپ کے نثری اثاثے میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں، سلاست و روانی سے بھرپور عبارتِ ذیل نشانِ خاطر ہو :

”حال کے زمانہ میں بھی اکثر صنائع ایسی ایسی چڑیاں بنا لیتے ہیں کہ بولتی بھی ہیں، ہلاتی بھی ہیں..... دُم بھی ہلاتی ہیں..... اور میں نے سنا ہے

بعض چڑیاں گل کے ذریعہ سے پرواز بھی کرتی ہیں..... بمبئی اور کلکتے میں ایسے کھلونے بہت بنتے ہیں اور ہر سال نئے نئے آتے ہیں.....“

(امام احمد رضا بریلوی: اعلیٰ الافادۃ فی تعزیۃ الہند و بیان الشہادۃ ۱۳۲۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۸ء، ص ۶۱)

(۱۹) امام احمد رضا جیسے دین کے داعی و مبلغ، مفسر و محدث اور مجتہدِ دین کو اپنی گونا گوں مصروفیات کے ہوتے اتنی فرصت نہیں رہا کرتی تھی کہ وہ اپنے اسلوب نگارش کو نکھارنے اور سنوارنے کی طرف توجہ فرماتے مگر آپ کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد یہ خیال تقویت پاتا جاتا ہے کہ آپ نے بلند پایہ کی نثر نگاری کی ہے۔ اور یہ کہ آپ کا پیرایہ زبان و بیان نکھرا اور ستھرا ہوا ہے۔ اسی طرح نثر میں شاعری کرنے پر امام احمد رضا کو عبورِ کامل حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی بیش تر کتب میں متعدد ایسی عبارتیں ہیں جن میں شاعرانہ فضا موجود ہے۔ جن میں پیکر تراشی اور جمالیاتی حسن کے پُر کیف مناظر آپ نے سمو دیے ہیں کہ قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا :

”تجلی جمال کے آثار سے لطف و نرمی..... راحت و سکون و نشاط و انبساط ہے..... جب یہ قلبِ عارف پرواقع ہوتی ہے..... دل خود بہ خود ایسا کھل جاتا ہے..... جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازہ کلیاں یا بہار کے مینہ سے درختوں کی کنجھیاں اور تجلی جلال کے آثار سے قہر و گرمی و خوف و لعب، جب اس کا ورڈ ہوتا ہے..... قلب بے اختیار مَر جھا جاتا ہے..... بلکہ بدن کھلنے لگتا ہے.....“

(امام احمد رضا بریلوی: کشفِ حقائق و اسرار و دقائق ۱۳۰۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص ۴)

(۲۰) اسی طرح یہ عبارت بھی قابلِ مطالعہ ہے :

”وہی آن نور ہے جب قریب افق جانبِ مشرق سے طولانی شکل پر چمکتا ہے، اس کا صبحِ اوّل نام رکھتے ہیں..... جب پھیلتا ہے، وہی صبح صادق ہوتی ہے..... پھر جب سُرخ لاتا ہے، وہی شفق ہے..... جب دن نکلتا ہے، وہی دھوپ ہے.....“

(امام احمد رضا بریلوی: کشفِ حقائق و اسرار و دقائق ۱۳۰۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص ۵)

(۲۱) ۱۹۲۱ء میں مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی کی تحریکِ ترکِ موالات کو بعض مسلم نیتاؤں نے دین و اسلام اور قرآن و سنت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے گاندھی کو اپنا رہ برو پشوا بنا کر اُس کے زیر سایہ کام کرتے رہے۔ اس دوران جب کچھ مسلم دشمن ہندوؤں کی گرفتاری عمل میں آئی تو بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے اُن کی حمایت کی اس پر آپ نے سخت تنقید کی اس سلسلے میں امام احمد رضا کا یہ ادبی جوہر پارہ قابلِ ملاحظہ ہے :

”وایے غربتِ اسلام و انصاف کیا کوئی ان سے اتنا کہنے والا نہیں کہ ہندوؤں کے بالفعل محاربین سے بھی تمہیں عداوت کا اقرار..... ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اور دکھانے کے اور؟..... کیا تمہیں نہیں ہو کہ جب وہ محاربین قاتلین ظالمین کافرین گرفتار ہوئے اُن پر ثبوت اشد جرائم کے انبار ہوئے..... تمہاری چھاتی دھڑکی؟..... تمہاری مامتا پھڑکی؟..... گھبرائے؟ تمللائے؟ شپٹلائے؟..... جیسے اکلوتے کی پھانسی سُن کر ماں کو درد آئے؛ فوراً گرما گرم دھواں دھار ریز ویویشن پاس کیا ہے کہ ہے یہ ہمارے پیارے ہیں..... ہماری آنکھ کے تارے ہیں انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا..... جلایا، پھنکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے، یہ ہماری ان کی خانگی شکر رنجی تھی..... ہمیں اس کی مطلق پروا نہیں، یہ ہمارے سگے ہیں، کوئی سوتیا ڈاہ نہیں..... ماں بیٹی کی لڑائی..... دودھ کی ملائی..... برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے..... ان کے درد سے ہمیں غش پر غش آتا ہے..... ان کا بال بیکا ہوا نہ ہمارا کلیجہ پھٹا!..... لہذا اُن کو معافی دی جائے..... فوراً درگزر کی جائے..... یہ ہے آیہِ محتجہ پر تمہارا عمل!..... یہ ہے الذین قاتلکم فی الدین سے تمہاری جنگ و جدل!..... یہ ہے واحد قہار کو تمہارا پیٹھ دینا!..... یہ ہے کلامِ جبار سے تمہارا پیچھا لینا!..... ان تمہارے سگےوں نے قرآن مجید پھاڑے، تم نے اس کے احکام پاؤں تلے مل ڈالے..... انہوں نے مسجدیں ڈھائیں، تم نے رب المسجید کے ارشادِ دولتوں میں کچل ڈالے..... قرآن چھوڑا..... ایمان چھوڑا..... مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منہ موڑا، اور ان کے دشمنوں ان کے اعدا سے رشتہ جوڑا یہ تمہیں اسلام کا بدلا ملا!.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الحجۃ الموعظۃ فی آیۃ المحتجۃ ۱۳۳۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۶۶/۶۷)

(۲۲) اسی طرح مسلمانوں کے ردِ نما کھلانے والے کچھ سیاسی عیتاؤں نے مسٹر گاندھی کو اس درجہ بڑھا دیا کہ جیسے وہ کوئی اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ مولوی عبدالباری فرنگی محلی نے گاندھی کے بارے میں اپنے خط میں لکھا کہ میرا حال تو سرِ دست اس شعر کے موافق ہے۔

عمرے کہ بایاتِ واحدیت گذشت
رفتی و بت پرستی غار کردی

نیز مسٹر ابوالکلام آزاد نے جمعہ کے روز نمازِ جمعہ سے قبل مسٹر گاندھی کے بارے میں بر سرِ منبر تعریفی و توصیفی کلمات کہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے مسٹر آزاد کے اس فعل کی اپنی کتاب ”المحجة الممتحنہ“ میں خبر لیتے ہوئے فکری انداز میں تنقید کی ہے۔ امام احمد رضا کی طنز و شہرت سے بھرپور تحریرِ خاطر نشین ہو :

”دوسرا جمعہ کا خطبہ اردو میں پڑھتا ہے..... نہیں نہیں! خطبہ کی جگہ لکچر دیتا ہے..... اور اس میں خلفائے راشدین و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بدلے گاندھی کی مدح، مقدس ذاتِ ستودہ صفات و غیرہ الفاظیوں کے ساتھ گاتا ہے..... اللہ تعالیٰ فرمائے انما المشرکون نجس - مشرک تو نہیں مگر ناپاک..... یہ کہیں مقدس ذات..... اللہ فرمائے: اولئک ہم شر البریہ - وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں..... یہ کہیں ستودہ صفات..... خطبہ جمعہ کیا تھا، قرآنِ عظیم کا ردّ تھا..... آج خطبہ جمعہ میں یہ ہوا..... کل نماز میں اھدنا الصراط المستقیم کی جگہ اھدنا الصراط الگاندھی پڑھیں گے اور کیوں نہ پڑھیں گے؟..... جسے جانیں کہ اس مقدس ذاتِ ستودہ صفات کو اللہ تعالیٰ نے مژدگر بنا کر مبعوث فرمایا ہے..... اُس کی راہ آپ ہی طلب کیا چاہیں اور اگر بالفرض یہ تبدیل نہ کریں تو صراط الذین انعمت علیہم میں تو گاندھی کو ضرور داخل مان چکے.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الحجۃ الموعظۃ فی آیۃ المحتجۃ ۱۳۳۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۵)

(۲۳) خالق کائنات جل شانہ نے اپنے محبوبِ مکرم، مصطفیٰ جانِ رحمت، قاسمِ کنزِ نعمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے تمام تر خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی نے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں اختیارات و تصرفات کو بیان کرتے ہوئے اردوے معلا کے حسین و جمیل گل بوٹے کھلائے ہیں۔ طنز کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کا دل نواز اسلوبِ دیدنی اور شنیدنی ہے :

”ملا جی! ذرا انصاف کی کنجی سے دیدہ عقل کے کواڑ کھول کر یہ کنجیاں دیکھیے جو مالک الملک شہنشاہِ قدیر جل جلالہ نے اپنے نائبِ اکبرِ خلیفہِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں..... خزانوں کی کنجیاں..... زمین کی کنجیاں..... دنیا کی کنجیاں..... نصرت کی کنجیاں..... نفع کی کنجیاں..... جنت کی

کنجیاں..... ناری کنجیاں..... ہر شے کی کنجیاں..... اور اب اپنا وہ بلاے جان
اقرار یا دیکھیے..... ”جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے قفل اسی کے اختیار میں ہوتا
ہے جب چاہے نہ کھولے جب چاہے کھولے“..... دیکھ حجت الہی یوں قائم
ہوتی ہے..... والحمد للہ رب العالمین.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء ۱۳۱۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۵۹/۶۰)
(۲۴) سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا سایا نہیں تھا۔ بعض منکرین
فضائل رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے سایا نہ ہونے پر کتب و رسائل تک تصنیف
کیے، امام احمد رضا بریلوی نے اُن کے جوابات میں کئی کتب لکھیں۔ ان میں سے ایک کتاب کی
تمہیدی تحریر لائق مطالعہ اور ہر اعتبار سے قابل تحسین ہے :

”عزیزان حق طلب! اگر عقل سلیم کا دامن ہاتھ سے نہ دیں گے
تو ان شاء اللہ تعالیٰ انہی شمعوں کی روشنی میں ٹھیک ٹھیک شاہ راہ صواب پر ہو لیں
گے۔ اور کلفتِ خار زار اور آفتِ بیمین و یسار سے بچتے ہوئے، تجلّٰے ہدایت
میں نور کے تڑکے، ٹھنڈے ٹھنڈے منزلِ تحقیق پر خیمہ زن ہوں گے اور جو
تقصیب اور شرخ پروری کا ساتھ لے تو ہم پر کیا الزام ہے، کہ جلتے ریت پر چلانا،
بلا کے کانٹوں میں پھنسانا اندھے کو دن میں گرانا، ان دو آفتِ جان، دشمنِ دین
و ایمان کا قدیمی کام ہے وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذرۃ التحقیق.....“

(امام احمد رضا بریلوی: مجموعہ رسائل: نور اور سایا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۱/۱۰۲)

(۲۵) امام احمد رضا محدث بریلوی کی بارگاہ میں جناب ابو عبد اللہ صاحب نے
ریاست محمد آباد سے جب کہ امام احمد رضا اخیر عمر میں بھوالی، نینی تال میں تشریف فرما تھے، ایک
استفتا روانہ کیا۔ اُس سوال کے تشفی بخش جواب کے لیے مسئلے کے تمام پہلوؤں پر حسبِ عادت
کریمہ بحث کر کے حوالہ جات سے مزین کر کے جواب عنایت فرمایا۔ اس وقت امام احمد
رضا محدث بریلوی کی طبیعت شدید ناساز تھی۔ باوجود اس کے آپ نے تحقیقی فتوایں تحریر فرمایا۔ مذکورہ
فتوایں یہ سطور ذیل مطالعہ کرنے کے قابل ہیں، ادبیت کے موتی سے آراستہ و مزین، سلاست
وروانی سے مملو :

”یہ چند سطریں خدا نے جس طرح چاہا، غم و اندوہ کے اجتماع اور
امراض و عوارض کے ازدحام کے باوجود و جلسوں میں تحریر کی گئیں۔ دل چاہتا

ہے کہ زلفِ سخن دوسری کنگھی سے سنواروں مگر کیا کروں اس اندھی بستی میں وطن
سے دور ہوں کتابیں پاس نہیں؟.....“

(امام احمد رضا بریلوی: مجموعہ رسائل: نور اور سایا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۴۰)
(۲۶) امام الانبیاء، دافع البلاء والوباء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلاؤں کا دافع کہنے پر
شُرک شرک کا راگ الاپنے والوں کے لیے امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ ادبی جوہر پارہ لائق
مطالعہ ہے :

”دیکھو یہ شہادتِ خدا و رسول جل و علا صلی اللہ تعالیٰ وسلم رزق
پانا، مدد ملنا، مینہ برسنا، بلا دور ہونا، دشمنوں کی مغلوبی، عذاب کی موتی،
یہاں تک کہ زمین کا قیام، زمین کی نگہبانی، خلق کی موت، خلق کی زندگی، دین
کی عزت، اُمت کی پناہ، بندوں کی حاجت روائی، راحت رسانی، سب
اولیا کے وسیلے، اولیا کی برکت، اولیا کے ہاتھوں اولیا کی وساطت سے ہے۔
مگر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دفعِ بلا کا واسطہ مانا اور شرک پسندوں نے
مشرک جانا..... ان للہ وانا الیہ راجعون.....“

(امام احمد رضا بریلوی: الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء ۱۳۱۱ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۳۴)
(۲۷) امام الاولیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے تئیں امام احمد رضا نے
اپنی دلی خواہش اور ایمانی آرزو کا اظہار کرتے ہوئے جگہ جگہ مقفلاً جملوں کو اس سلیقہ مندی سے
استعمال فرمایا ہے کہ طبیعت جھوم جھومتی ہے :

”گداے بے نوا..... فقیر ناسزا..... اپنے تاج دار..... عظیم
المجود..... عیم العطاء کے لطفِ بے منت و کرم بے علت سے اس صلے کا طالب
کہ غنوّ و عافیت و حُسنِ عاقبت کے ساتھ اس دارِ ناپائدار سے رخصت ہوتے؛
مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزِ پسر..... بتولِ زہرا کے لختِ
جگر..... علی مرتضیٰ کے نورِ نظر..... حسن و حسین کے قرۃِ بصر..... محیِ سَمّتِ ابی بکر
و عمر صلی اللہ تعالیٰ علیٰ الحبیب و علیہم وسلم..... یعنی حضورِ غوثِ صدیقی..... قطبِ
ربّانی..... و اہب الآمال و معطی الامانی..... حضورِ نورِ غوثِ اعظمِ قطبِ عالمِ محی
الدین ابو محمد عبدالقادر حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاء و جعلِ حرزِ نانی
الدارین رضاء کی محبت و عشق و عقیدت و اتباع و طاعت پر جائے اور جس دن

یوم ندعوا کل اناس بامامہم..... (جس دن ہر جماعت کو ہم اُس کے امام کے ساتھ بلائیں گے)..... کا ظہور ہو؛ یہ سراپا گناہ زیرِ لوے بے کس پناہ سرکارِ قادریہ ظل اللہ جگہ پائے.....“

(امام احمد رضا بریلوی: انہار الانوار من یم الصلاۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۶۲)

(۲۸) کھڑے ہو کر صلاۃ و سلام پڑھنے، میلاد و قیام نیز بدعت پر بحث کرتے ہوئے امام احمد رضا نے تحقیق و تدقیق کے ذریعہ سے ان امور کے استحباب کو ثابت کیا ہے۔ پوری کتاب اردو ادب کا حسین گل دستہ ہے۔ جس میں قلم برداشتہ مقفا جملوں کی رنگارنگی و تازگی قاری کو دیر تک مسحور کیے رہتی ہے۔ ذیل میں پیش کی جانے والی عبارتِ رضا آپ کے قادر الکلام ادیب اور شہنشاہِ اقلیمِ سخن ہونے کے ساتھ ساتھ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشق صادق ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ پڑھتے جائیے۔ جھومتے جائیے اور امام احمد رضا کے حسنِ تخیل کی داد دیجیے :

”اب تو بے خلش صرصر و اندیخہ، سوم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں..... فکرِ صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھودیں..... ذہن رواں نے زُلالِ تحقیق کی ندیاں بہائیں..... علما، اولیا کی آنکھیں ان پاک مبارک نہالوں کے لیے تھالے بنیں..... خواہاں دین و ملت کی نسیمِ انفاس متبرکہ نے عطر بازیاں فرمائیں..... یہاں تک کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باغ ہرا بھرا پھولا پھلا لہلہایا اور اس کے بھپنے پھولوں، سہانے پتوں نے چشم و کام و دماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا..... والحمد للہ رب العالمین..... اب اگر کوئی جاہل یہ اعتراض کرے کہ یہ نگھیاں جو اب پھوٹیں، جب کہاں تھیں؟..... یہ پتیاں جو اب نکلیں، پہلے کیوں نہاں تھیں؟..... یہ تکی پتلی ڈالیاں جو اب جھومتی ہیں، نوپیدا ہیں؟..... یہ منھی منھی کلیاں جو اب مہکتی ہیں، تازہ جلو انما ہیں..... اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے..... تو اس کی حماقت پر الہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ او جاہل! اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی، وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے..... آخر اس سفاهت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے محروم رہے گا.....“

(امام احمد رضا بریلوی: اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام النبی التہامۃ ۱۲۹۹ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۵۸)

(۲۹) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے تعلق سے

مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے والے منکرینِ فضائلِ رسالت مآب (ﷺ) کا ردِ بلیغ کرتے ہوئے آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ جس کی عبارت ذیل اردو ادب کا ایک بہترین جوہر پارہ اور والدینِ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے مومن و موحّد ہونے کا بیان بھی ہے..... پیرایہ اظہار و بیان پر غور کیجیے :

”اے چشمِ انصاف! کیا ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی بہ طور جزا ف تھا؟..... کلاً واللہ! بل کہ عنایتِ ازلی نے جان کر یہ نام رکھے..... دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چُٹے..... پھر محفلِ غور ہے جو اس نورِ پاک کو بُرے نام والوں سے بچائے وہ اسے بُرے کام والوں میں رکھے گا؟..... اور برا کام بھی کون سا؟..... معاذ اللہ! شرک و کفر..... حاشا!..... اللہ!..... دایاں مسلمان..... کھلایاں مسلمان..... مگر خاص جن مبارک پٹوں میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاؤں پھیلانے؛ جن طیبِ مطیبِ خونوں سے اس نورانی جسم میں نکلے آئے، معاذ اللہ! چنیں و چنناں حاشا! کیوں کر گوارا ہو؟..... بیع

خدا دیکھا نہیں قدرت سے جانا“

(امام احمد رضا بریلوی: شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۳۳)

(۳۰) حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا اپنے ابنِ کریم مصطفیٰ پیارے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس دارِ فانی سے کوچ کرتے وقت نصیحت فرماتی ہیں کہ: ”ہر زندے کو مرنا ہے، اور ہرنے کو پُرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا، میں کیسی خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا صلی اللہ علیہ وسلم“ اس موضوع کے تحت امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ شگفتگی، شیفنگی اور وارفتگی سے پُر ادب پارہ نشانِ خاطر ہو :

”یہ اُن کی فراستِ ایمانی..... پیشِ گوئیِ نورانی..... قابلِ غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ رہے گا..... عرب و عجم کی ہزاروں شاہ زادیاں..... بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں..... جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا..... مگر اس پاک طیبہ خاتون کے ذکرِ خیر سے مشارق و مغارب ارض میں محافل و مجالس اِس و قدس میں زمین و آسمان گونج رہے ہیں اور

ابداً آباد تک گونجیں گے..... واللہ الحمد.....“

(امام احمد رضا بریلوی: شمول الاسلام لاصول الرسول اکرام ۱۳۱۵ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۴۰)
(۳۱) سائنسی نظریات کے مطابق زمین حرکت کرتی ہے جب کہ قرآنی آیات کی روشنی میں زمین کا ساکن ہونا ثابت ہے۔ آج کل اسکولوں میں سائنسی نظریات پڑھائے جاتے ہیں۔ اور طلبہ جسے صحیح سمجھ کر اسلامی عقیدے کے مخالف نظریات کے حامی بن جاتے ہیں۔ اس ضمن میں امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ ادب پارہ ملاحظہ ہو :

”الحمد للہ! وہ نور کہ طور سینا سے آیا..... اور جبل ساعیر سے چکا..... اور فاران مکہ معظمہ کے پہاڑوں سے فانص الانوار وعالم آشکار ہوا..... شمس و قمر کا چلنا..... اور زمین کا سکون..... روشن طور پر لایا..... آج جس کا خلاف سکھایا جاتا ہے..... اور مسلمان ناواقف نادان لڑکوں کے ذہن میں جگہ پاتا ہے..... اور اُن کے ایمان و اسلام پر حرف لاتا ہے..... والعیاذ باللہ تعالیٰ.....“

(امام احمد رضا بریلوی: فوز مبین در رد حرکت زمین ۱۳۳۸ھ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۹/۳۰)
(۳۲) اللہ عز وجل ایذا سے پاک و منزہ ہے، اُسے کون ایذا دے سکتا ہے؟ مگر اس نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات اور گستاخی کو اپنی ایذا فرمایا ہے۔ متعدد آیات قرآنی سے گستاخ رسول (ﷺ) اور اس سے محبت کا برتاؤ کرنے والے اشخاص کے لیے امام احمد رضا نے یہ سات باتیں ثابت کی ہیں (۱) وہ ظالم ہے (۲) گمراہ ہے (۳) کافر ہے (۴) اس کے لیے دردناک عذاب ہے (۵) وہ آخرت میں ذلیل و خوار ہے (۶) اس نے اللہ واحد قہار کو ایذا دی (۷) اس پر دونوں جہاں میں خدا کی لعنت ہے..... والعیاذ باللہ تعالیٰ۔
اس کے بعد مسلمانوں کو امام احمد رضا نے جو درس دیا ہے وہ عبارت پند و نصائح کے ساتھ ساتھ حسن لفظ و معنی کا خوب صورت گل دستہ بھی ہے :

”اے مسلمان! اے مسلمان! اے امتی سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! خدا را ذرا انصاف کر! وہ سات بہتر ہیں جو ان لوگوں سے یک لخت ترک علاقہ کر دینے پر ملتے ہیں کہ دل میں ایمان جم جائے..... اللہ مددگار ہو..... جنت مقام ہو..... اللہ والوں میں شمار ہو..... مرادیں ملیں، خدا تجھ سے راضی ہو تو خدا سے راضی ہو یا سات بھلے ہیں جو ان لوگوں سے تعلق لگا

رہنے پر پڑیں گے کہ ظالم، گمراہ، کافر، جہنمی ہو..... آخرت میں خوار ہو.....
خدا کو ایذا دے..... خدا دونوں جہاں میں لعنت کرے..... ہیہات! ہیہات!..... کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سات اچھے ہیں؟..... کون کہہ سکتا کہ وہ سات چھوڑنے کے ہیں؟..... مگر جانِ برادر! خالی یہ کہہ دینا تو کام نہیں دیتا وہاں تو امتحان کی ٹھہری ہے.....“

(امام احمد رضا بریلوی: تمہید ایمان بآیات قرآن ۱۳۲۶ھ، رضا اکیڈمی، مالنگاؤں ۱۹۹۲ء، ص ۹)
(۳۳) امام احمد رضا کی بارگاہ میں ایک استفتا آیا کہ ”کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایا تھا یا نہیں؟..... اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک کتاب ”قمر الہتمام فی نفی الظل عن سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۹۶ھ“ کے نام سے تحریر فرمائی..... اس کتاب کا تمہیدی خطبہ اردو ادب کا حسین ترین گل دستہ اور تمام تر نثری خوبیوں اور محاسن کا عطر مجموعہ ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے اردوے معلا کی لطافت و حلاوت نکلتی ہے۔ خلمہ رضا کی یہ عبارت پڑھ اور سُن کر قاری و سامع دونوں کی طبیعت پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ عبارت جہاں امام احمد رضا محدث بریلوی کے قادر الکلام ادیب ہونے پر دلالت کرتی ہے وہیں یہ بھی واضح کرتی ہے کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ چیز سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر، عقیدت و محبت، اطاعت و فرماں برداری اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ترین بارگاہ کی نیاز مندی تھی..... اور سب سے مغضوب و ناپسندیدہ چیز سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اطہر میں گستاخی و بے ادبی و دریدہ دہنی و بدگوئی اور آقاے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع و اعلا ذات، کمالات و صفات عالیہ اور فضائل و شائستگی پر کتہ چینی تھی..... ذیل میں پوری تمہیدی عبارت بعینہ نقل کی جاتی ہے پڑھتے جائیے، جھومتے جائیے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت سے پُر تحریر کا لطف و سرور اٹھائیے اور امام احمد رضا کے حسن تصور اور پاکیزہ تخیل کی داد دیجیے :

”حتیٰ کہ معجزہ شق القمر جو بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ بل کہ خود قرآن عظیم و وحی حکیم کی شہادتِ حقہ اور اہل سنت و جماعت کے اجماع سے ثابت..... ان صاحبوں میں سے بعض جری بہادروں نے اسے بھی غلط ٹھہرایا..... اور اسلام کی پیشانی پر کلف کا دھبہ لگایا..... فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگوں نے اس میں اپنا کیا فائدہ دینی و دنیاوی سمجھا ہے؟.....“

اے عزیز! ایمان..... رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے..... اور آتش جان سوئے جہنم سے نجات اُن کی الفت پر موقوف..... جو اُن سے محبت نہیں رکھتا واللہ! کہ ایمان کی بُو اُس کی مشام تک نہ آئی.....“

چند سطروں بعد راقم ہیں کہ :

”جانِ برادر! تو نے کبھی سنا کہ جس شخص کو تجھ سے الفتِ صادق ہے وہ تیری اچھی بات سُن کر چیں بہ جیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے..... اور پھر محبوب بھی کیسا؟ جانِ ایمان و کانِ احسان..... جس کے جمالِ جہاں آرا کا نظیر کہیں نہ ملے گا اور خامہ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا..... کیسا محبوب؟ جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھا لیا..... کیسا محبوب؟ جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا..... تم رات دن اُس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو و لعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لیے شب و روز گریاں و ملول.....

شب؛ کہ اللہ عز و جل نے آسائش کے لیے بنائی..... اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے..... صبح قریب ہے..... ٹھنڈی لسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے..... ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے..... بادشاہ اپنے گرم بستر و نرم تکیوں میں مست خوابِ ناز ہے اور جو محتاج بے نوا ہے اُس کے بھی پاؤں دو گز کی مکلی میں دراز..... ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ اپنی راحت و آسائش کو چھوڑ..... خواب و آرام سے منہ موڑ..... جبینِ نیاز آستانہ عزت پر رکھے ہے کہ الہی! میری اُمت سیاہ کار ہے..... درگزر فرما؛ اور اُن کے تمام جسموں کو آتشِ دوزخ سے بچا.....

جب وہ جانِ راحت کانِ رافت پیدا ہوا..... بارگاہِ الہی میں سجدہ کیا اور ربِّ ہب لی اُمتی فرمایا..... جب قبر شریف میں اُتارا گیا؛ لبِ جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا؛ آہستہ آہستہ اُمتی فرماتے تھے..... قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے..... تانبے کی زمین..... ننگے پاؤں

..... زبائیں پیاس سے باہر..... آفتاب سروں پر..... سایے کا پتا نہیں..... حساب کا دغدغہ..... مملکِ قہار کا سامنا..... عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا..... مجرمان بے یار دام آفت کے گرفتار..... جدھر جائیں گے سو انفسی نفسی اذہو الیٰ غیر کی کچھ جواب نہ پائیں گے..... اُس وقت یہی محبوب غم گسار کام آئے گا..... قفلِ شفاعت اس کے زورِ بازو سے کھل جائے گا..... عمامہ سرِ اقدس سے اُتاریں گے اور سر بہ سجود ہو کر ”اُمتی“ فرمائیں گے..... واے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جاں نثار کرنا اور مدح و ستائش و ثناء فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب..... یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور ان روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے.....

مانا کہ ہمیں احسان شناسی سے حصہ نہ ملا..... نہ قلب عشق آشنا ہے کہ حُسن پسند یا احسان دوست..... مگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگرنا مانیے..... اس کی مخالفت کیجیے تو کوئی مضرت نہ پہنچے..... اور یہ محبوب تو ایسا ہے کہ بے اس کی کشش بوسی کے جہنم سے نجات میسر..... نہ دنیا میں کہیں ٹھکانہ متصور..... پھر اس کے حُسن و احسان پر والہ و شیدانہ ہو تو اپنے نفع و ضرر کے لحاظ سے عقیدت رکھو.....

اے عزیز! چشمِ خرد میں سرمہ انصاف لگا اور گوشِ قبول سے پنبہ انکار نکال..... پھر تمام اہلِ اسلام بل کہ ہر مذہب و ملت کے عقلاً سے پوچھتا پھر کہ عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے اور غلاموں کو مولا کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟..... آیا؟ نثرِ فضائل و تکیہ مدائح اور ان کی خوبی حُسن سُن کر باغِ باغ ہو جانا؟..... پھولا نہ سانا، یار و محاسن، فنی کمالات اور ان کے اوصافِ حمیدہ سے بہ انکار و تکذیب پیش آنا..... اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضا، نہ یہ غلامی کے خلاف ہے، تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا و رسول سے شرما..... اور اس حرکتِ بے جا سے باز آ..... یقین جان لے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے منائے نہ مٹیں گی..... جانِ برادر! اپنے ایمان پر رحم کر..... خداے قہار جبار جل جلالہ سے لڑائی نہ باندھ..... وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے پہلے ازل میں

لکھ چکا اور فتنہ لک ذکر کر یعنی ارشاد ہوتا ہے: ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا کہ جہاں ہماری یاد ہوگی تمہارا بھی چرچا ہوگا..... اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا..... آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمہارے نام نامی سے گونجیں گے..... موزن اذانوں میں اور خطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس اور واعظین اپنے منابر پر ہمارے ذکر کے ساتھ تمہاری یاد کریں گے..... اشجار و احجار..... آہو و سوسار..... و دیگر جان دار و اطفال شیر خوار..... و معبودان کفار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے..... ویسا ہی بہ زبان فصیح و بیان صحیح تمہارا منشور رسالت پڑھ کر سنائیں گے..... چار اکناف عالم میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا غلغلہ ہوگا..... جو اشقیائے ازل ہر ذرہ کلمہ شہادت پڑھتا ہوگا..... مسلمان ملاءِ اعلا کو ادھر تسبیح و تقدیس میں مصروف کروں گا..... ادھر تمہارے محمود درودِ مسعود کا حکم دوں گا..... عرش و کرسی..... ہفت اوراقِ سدرہ..... قصور جنات..... جہاں پر اللہ لکھوں گا، محمد رسول اللہ بھی تحریر فرماؤں گا..... اپنے پیغمبروں اور اولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہر وقت تمہارا دم بھریں اور تمہاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں..... جو کتاب نازل کروں گا اس میں تمہاری مدح و ستائش اور جمالی صورت اور کمالِ سیرت ایسی تشریح و توضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری طرف جھک جائیں اور نادیدہ تمہارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اٹھے گی..... ایک عالم اگر تمہارا دشمن ہو کر تمہاری تنقیصِ شان اور محو فضائل میں مشغول ہو تو میں قادرِ مطلق ہوں، میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا؟..... آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدا ہا برس سے اپنی کتابوں میں اُن کا ذکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں..... تو اہل ایمان اس بلند آواز سے اُن کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر انصاف کرے..... بے ساختہ پکار اٹھے..... لاکھوں بے دینوں نے محو فضائل پر کمر باندھی..... مگر مٹانے والے خود مٹ گئے اور ان کی خوبی روز بروز متری رہی..... پھر اپنے مقصود سے تو یاس و ناامیدی کر لینا مناسب ہے ورنہ بہ ربِّ کعبہ اُن کا کچھ نقصان نہیں..... بالآخر ایک دن تو نہیں، تیرا ایمان نہیں.....“

(امام احمد رضا بریلوی: مجموعہ رسائل نور اور سایا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء، ص ۷۳/۷۷)

مندرجہ بالا تینتیس مثالیں امام احمد رضا کی چند ہی تصانیف سے پیش کی گئی ہیں۔ ذیل میں رشحاتِ رضا کے مزید سات گراں قدر جوہر پارے بلا تبصرہ نقل کیے جاتے ہیں تاکہ چالیس کا عدد مکمل ہو جائے جو کہ اسلاف کے نزدیک اہمیت کا حامل رہا ہے۔ (یہ اضافہ حال میں کیا گیا ہے) ذہن نشین رہ کہ یہ سات عبارتیں امام احمد رضا کے مکاتیب سے درج کی جا رہی ہیں۔ مکتوب نگاری بھی ایک فن ہے اس میں بھی امام احمد رضا نے ادبیت کے دلکش گل بوٹے کھلائے ہیں، نثر میں شاعرانہ فضا پیدا کی ہے اور صنعتی موتی بکھیرے ہیں۔ آپ کی تصانیف کی طرح خطوط میں بھی تازگی و طرکی، شکستگی و پختگی اور ایک اعلیٰ نثر کی جملہ خصوصیات موج زن ہیں جو قاری کو ایک کیف آگیاں شادابی سے ہم کنار کرتی ہیں:

(۳۴) عبدالباری کے توبہ نامہ کے بعد ۱۵ ماہ مبارک سے ان سے سلسلہ مکاتیب جاری ہوا۔ مدتوں تو ان سے یہی پوچھا گیا کہ میری اس تحریر میں کون سا لفظ تکبر تھا، جس پر آپ نے پیکرِ تکبر ٹھہرایا، اور مجھ سے خطاب کو معاذ اللہ! حق کی بے غیرتی ٹھہرایا۔ بغلیں جھانکا کیے اور کچھ نہ بتا سکے۔ کچھ ہوتا، تو بتاتے۔ آخر یوں ٹالا۔ بات شروع کیجیے بعد ختم مفاہمہ بتاؤں گا اور ساتھ ہی یہ کہ میں سندھ کو جاتا ہوں۔ میں نے تار دیا کہ اصل بحث شروع کرتا ہوں، کہاں بھیجوں؟ آپ سندھ کب جائیں اور کب آئیں گے؟ اس کا جواب ان کے یہاں سے کسی نے تار میں دیا کہ وہ کراچی گئے۔ اب انتظار کرنا پڑا۔ میری وہ تحریر جس پر انہوں نے وہ ناپاک احکام تکبر لگائے تھے۔ ان پر روشنی پڑی اور جواب ناممکن تھا۔ لہذا اس حیلہ کا ذبہ کی آڑ لی۔ مجھے تو اندیشہ ہوا کہ وہ تو قلیل ردّ تھے؛ اب کثیر وافر کروں گا۔ پھر کہہ دیں گے؛ پیکرِ تکبر سے مخاطبہ حق کی بے غیرتی سمجھتا ہوں؛ بات ہاتھ سے جائے گی۔ ہدایت کی طرف جھکے ہیں۔ پھر اس حیلہ کا ذبہ سے چراغ پا ہو جائیں گے۔

لہذا بار بار بہ تکرار بہ اصرار نہایت تواضع و تذلل کے لہجہ میں دریافت کیا؛ کہ وہ طریقہ مخاطب بتا دیجیے، جسے آپ تکبر نہ سمجھیں اور میں قابلِ خطاب اور میرا کلام لائقِ جواب رہے۔ مگر کسی طرح نہ بتایا، صرف اتنا کہا کہ جس شفقت و فراست سے جناب نے اب کلام فرمایا ہے۔ میں نے گزارش کی کہ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جس انتہائے تذلل کے ساتھ اب ہم سے

کلام کیا ہے، ایسا ہی ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ وہ خط رد تھا اور اس میں رد نہیں۔ لہذا یہ تکبر نہیں۔ پہلی مراد پر میرا نہیں، بل کہ آپ کا تکبر ثابت ہوگا کہ ہم سے یوں بات کرنا چاہیے۔ اور دوسری تقدیر پر بالکل درمفاہمہ بند کرتی ہے کہ آگے جو کچھ ہوگا، آپ پر ہی رد ہی ہوگا۔ غرض ان سے لکھوا چھڑا کہ میں رد کو تکبر نہیں سمجھتا۔ اور اسی ضمن میں ان سے چار عہد واثق لیے۔

(۱) جہاں حرج شرعی ثابت ہوگا قبول کیا جائے گا، خاصمانہ مدافعت مقصود نہ رہے گی۔ (۲) رفع الزام کو کوئی حقیقت واقعہ چھاپی نہ جائے۔ (۳) بعد صحت اصل مراد زوائد سے کام نہ ہوگا۔ (۴) بعد وضوح حق کسی خاطر رعایت لحاظ کو اس پر ترجیح نہ ہوگی، بل کہ کو نوا قوامین بالقسط شہداء لله ولو علی انفسکم۔ انہوں نے اگر مگر کے بعد لکھ دیا چاروں عہد قبول؛ واللہ علی مانقول وکیل مگر ایک آن کو بھی کسی عہد پر قائم نہ رہے۔ ہمیشہ اس پر تنبیہ کی، ملتفت نہ ہوئے۔“

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۷۵/۷۶)

(۳۵) ”اگر آپ آفتاب اور دھوپ دیکھیں۔ تو فرق حقیقت و تجلی کی ایک ناقص مثال پیش نظر ہو۔ آفتاب گویا حقیقت شمس ہے اور دھوپ اس کا جلو۔ حقیقت صفات کثیرہ رکھتی ہے اور اپنے مجالی میں متفرق صفات سے تجلی کرتی ہے۔ ان صفات کے لحاظ سے جو آثار، ان مجالی کے ہیں۔ وہ حقیقتاً حقیقت کے اور معاملات ان مجالی سے بہ حیثیت مجالی ہیں؛ وہ حقیقتاً حقیقت سے۔ جیسا صحابہ کرام کی نسبت فرمایا: من احبہم فی حبسہ احبہم ومن ابغضہم فی بغضہم۔ حقیقت کعبہ مثل حقائق جملہ اکوان حقیقت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلاۃ واتحیہ کی ایک تجلی ہے؛ کعبہ کی حقیقت وہ جلو ہے۔ مگر وہ جلوا عین حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں۔ بل کہ اس کے غیر متناہی ظلال سے ایک ظل۔ جیسا کہ اسی قصیدہ میں ہے۔

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظل
روشن انہیں کے عکس سے پٹلی حجر کی ہے

حقیقت کریمہ نے اپنی صفت مسجودیت الیہا سے اس ظل میں تجلی

فرمائی ہے۔ لہذا کعبہ جس کی حقیقت یہی ظل و تجلی ہے۔ مسجود الیہا ہوا اور حقیقت وہ حقیقت علیہ مسجود الیہا ہے کہ اس کی صفت اس کے ساتھ اس پر تجلی نے اسے مسجود الیہا کیا۔“

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۱۰۱/۱۰۲)

(۳۶) ”یہ فقیر ذلیل بحمدہ تعالیٰ حضرات سادات کرام کا ادنا غلام و خاک پا ہے۔ ان کی محبت و عظمت ذریعہ نجات و شفاعت جانتا ہے۔ اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ سید اگر بد مذہب بھی ہو جائے؛ اس کی تعظیم نہیں جاتی۔ جب تک بد مذہبی حد کفر تک نہ پہنچے۔ ہاں! بعد کفر سیادت ہی نہیں رہتی۔ پھر اس کی تعظیم حرام ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی فقیر بارہا فتوے چکا ہے کہ کسی سید کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں۔ جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں۔ ہم ان کی تعظیم کریں گے۔ ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں۔ نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اور خواہی نہ خواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو نہ اکہنا، مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں۔ الناس امناء علی انسابہم (لوگ اپنے نسب پر امین ہیں)۔

ہاں! جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سید نہیں اور وہ سید بنے، اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے۔ نہ اسے سید کہیں گے اور مناسب ہوگا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کر دیا جائے۔ میرے خیال میں ایک حکایت ہے: جس پر میرا عمل ہے کہ ایک شخص کسی سید سے الجھا؛ انہوں نے فرمایا: میں سید ہوں۔ کہا: کیا سند ہے تمہارے سید ہونے کی؟ رات کو زیارت اقدس سے مشرف ہوا کہ معرکہ حشر ہے، یہ شفاعت خواہ ہوا۔ اعراض فرمایا؛ اس نے عرض کی: میں بھی حضور کا امتی ہوں۔ فرمایا: کیا سند ہے تیرے امتی ہونے کی؟“

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۱۰۵/۱۰۶)

(۳۷) ”یہ سب بارگاہ بے کس پناہ قادریت غفرلہ ایک ضروری دینی عرض کے لیے مکلف اوقات گرامی پرسوں روز سہ شنبہ کی ڈاک سے ایک رسالہ ”القول الاظہر“ مطبوعہ حیدرآباد سرکار اجمیر شریف سے بعض احباب گرامی کا

مرسلہ آیا، جس کی لوح پر حسب الحکم عالی جناب لکھا ہے۔ یہ نسبت اگر صحیح نہیں، تو نیاز مند کو مطلع فرمائیں ورنہ طالب حق کو اس سے بہتر تحقیق حق کا کیا موقع ملے گا؟ کسی مسئلہ دیدیہ شرعیہ میں استکشاف حق کے لیے نفوس کریمہ جن جن صفات کے جامع درکار ہیں، بہ فضلہ عزوجل ذات والا میں سب آشکار ہیں۔ علم و فضل، انصاف و عدل، حق گوئی، حق جوئی، حق دوستی، حق پسندی، پھر بجزہ تعالیٰ غلامی خاص بارگاہ بے کس پناہ قادریت جناب کو حاصل اور فقیر کا منہ تو کیا قابل؟ ہاں! سرکار کا کرم شامل.....

اس اتحاد کے باعث حضرت کی جو محبت و وقعت قلب فقیر میں ہے۔ مولا عزوجل اور زائد کرے۔ یہ اور زیادہ امید بخش ہے۔ اجازت عطا ہو کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے؛ اور خالص کریمانہ جواب لے۔ یہاں تک کہ حق کا مالک حق واضح کرے۔ فقیر بارہا لکھ چکا اور اب لکھتا ہے کہ اگر اپنی غلطی ظاہر ہوئی؛ بے تامل اعتراف حق کرے گا۔ یہ امر جاہل متعصب کے نزدیک عار، مگر عند العقلاء اعزاز و وقار ہے اور حضرت تو ہر فضل کے خود اہل ہیں۔ اللہ الحمد! امید کہ ایک غلام بارگاہ قادری طالب حق کا یہ مامول حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے مقبول ہو۔ اللہ آمین بالخیر یا ارحم الراحمین۔“

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۱۰۶/۱۰۷)

(۳۸) ”شب براءت قریب ہے۔ اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولا عزوجل بہ طفیل حضور پر نور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلاۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے۔ مگر چند ان میں وہ دو مسلمان، جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے: ان کو رہنے دو، جب تک آپس میں صلح نہ کر لیں۔“

لہذا اہل سنت کو چاہیے کہ حتیٰ الوسع قبل غروب آفتاب ۱۴ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کر لیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کر دیں؛ یا معاف کر لیں کہ باذنہ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہو کر بارگاہ عزت میں پیش ہوں۔ حقوق مولا تعالیٰ کے لیے توبہ صادقہ کافی ہے۔ العائب

من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ ایسی حالت میں باذنہ تعالیٰ ضرور اس شب میں اُمید مغفرتِ تامہ ہے۔ بہ شرط صحت عقیدہ؛ وہو الغفور الرحیم۔

یہ سب مصالحتِ اخوان و معافی حقوق بجزہ تعالیٰ یہاں سال ہائے دراز سے جاری ہے۔ اُمید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجرا کر کے من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الی یوم القيامة لا يتفص من اجورهم شياء۔ کے مصداق ہوں۔ یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے؛ اس کے لیے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی آئے۔

اور اس فقیر ناکارہ کے لیے عفو و عافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لیے دعا کرے گا اور کرتا ہے؛ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے؛ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔“

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۳۵۶/۳۵۷)

(۳۹) ”جواب مسائل اجمالاً حاضر۔ تفصیل کا وقت کہاں؟ قرآن مجید سن کر اس وقت آیا ہوں۔ بارہ بجا چاہتے ہیں۔ گیارہ بج کر باون منٹ آئے ہیں کہ یہ نیاز نامہ لکھ رہا ہوں اور اگر کسی میں تفصیل طلب فرمائیں گے تو امتثال امر کے لیے ہوں اور بارگاہ عزت سے امید تو ایسی ہی ہے کہ آپ کا ذہن سلیم بجزہ تعالیٰ اسی اجمال سے ہی بہت کچھ تفصیل پیدا فرمائے گا۔“

مسئلہ زیارت القبور للنساء..... جیبی اکرمکم اللہ تعالیٰ! شے کے لیے حکم دو قسم ہے۔ ذاتی کہ اس کے نفس ذات کے لحاظ سے ہو اور عرضی کہ بہ وجہ عرض عوارض خارجیہ ہو۔ تمام احکام کہ بہ نظر سد ذرائع دیے جاتے ہیں۔ جو مذہب حنفی میں بالخصوص ایک اصل اصیل ہے۔ اسی قسم دوم سے ہیں۔ یہ دونوں قسمیں بال کفنی و اثبات میں مختلف ہوتی ہیں۔ ہرگز متنافی نہیں کہ مناشی جدا جدا ہے۔ اس کی مثال حضور نساء فی المساجد ہے کہ نظر بذات ہرگز ممنوع

نہیں۔ بل کہ ان کا روکنا ممنوع ہے۔ صحیح حدیث میں ارشاد ہوا: لا تمنعوا ماء اللہ مساجد اللہ (اللہ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو) اور نظریہ حالِ زناں ممنوع کا صرح بہ الفقہاء الکرام۔ وقد قالت ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لو رانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المساجد كما منعت نساء بنی اسرائیل۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں نے جو نئی باتیں پیدا کر لی ہیں؛ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے تو ان کو ایسا ہی مسجدوں سے روک دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں۔

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ، کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۲، ص ۴۵)

(۴۰) ”جب حیا وغیرت، دین و دیانت، عقل و انسانیت کی نوبت یہاں تک مشاہدہ ہوئی۔ ہر ذی فہم نے جان کیا کہ بحث کا خاتمہ ہو گیا، حضرات سے مخاطبہ کسی عاقل کا کام نہ رہا، الحمد للہ! کتب و رسائل فقیر تو چھتیس سال سے لا جواب ہیں، اصحاب و احباب فقیر کے رسائل بھی بعونہ تعالیٰ عز و جل لا جواب ہی رہے۔ ادھر کے تازہ رسائل ظفر الدین الطیب، کین کش منجہ بیچ و بارش سنگی و پیکان جاں گداز، العذاب البیسیس اور ضروری نوٹس و نیاز نامہ کشف راز و اشتہار چہارم، اشتہار پنجم، اشتہار ہفتم و ہشتم ہی ملاحظہ فرمائیے، کس سے جواب ہو سکا؟ ان کے یہاں اعتراضوں، مواخذوں و مطالبوں کا کس نے قرض ادا کیا؟ بات بدل کر ادھر ادھر کی مہمل، لچر اگر ایک آدھ پرچے میں کسی صاحب نے کچھ فرمائی، اس کا جواب فوراً شائع ہوا کہ پھر ادھر مہر سکوت لگ گئی۔ والحمد للہ رب العالمین،

مگر اب کی یہ تدبیر حضرات کو ایسی سوچھی، جس کا جواب ایک میں اور میرے اصحاب کیا، تمام جہاں میں کسی عاقل سے نہ ہو سکے، غریب مسلمان اتنی حیا وغیرت، ایسی بے تکان جرات، اتنی بے باک طبیعت کہاں سے لائیں؟ کہ کتابیں دل سے گڑھ لیں، ان کے مطبع دل سے تراش لیں، ان کی عبارتیں ڈھال لیں اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سر بازار چھاپ دیں.....“

(ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: کلیات مکاتیب رضا، مطبوعہ، کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ج ۱، ص ۱۷۴/۱۷۵)

اختتامیہ

گذشتہ اوراق میں آپ نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی نثر کے بعض ادبی جواہر پاروں کو خاطر نشین فرمایا..... ظاہر ہونا چاہیے کہ یہ تمام شہ پارے امام احمد رضا کی صرف چند ہی کتابوں سے بہ طور مع

مشتے نمونہ از خروارے

کے مصداق اخذ کیے گئے ہیں..... جیسا کہ ناچیز نے پہلے ہی یہ عرض کیا تھا کہ اگر امام احمد رضا کی تمام تر مطبوعہ تصانیف سے ایسے گراں قدر ادبی جواہر پاروں کو یک جا کیا جائے تو کئی ضخیم جلدات تیار ہو سکتے ہیں..... یہ ایک وسیع موضوع ہے..... جس پر تحقیقی کام ہو سکتا ہے..... بہ ہر کیف! ان ادبی جواہر پاروں کے مطالعہ و تجزیہ سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی محض عالم دین، مجدد وقت، فقیہ بے مثال اور مشہور نعت گو شاعر ہی نہیں؛ بل کہ بلند پایہ ادیب، مایہ ناز انشا پرداز اور قادر الکلام زؤدگو نثر نگار بھی تھے..... یہاں یہ بات ذہن نشین رہ کہ امام احمد رضا جیسے اپنے وقت کے انتہائی مصروف ترین عظیم عبقری فقیہ و مجدد و مفسر و محدث، مترجم و محقق، مدبر و مفکر، مبلغ و مبلغ اور اسلامی سائنس دان کے پاس اپنے اسلوب نگارش کو نکھارنے اور سنوارنے کا قطعی وقت نہ تھا..... لیکن ان بیش بہا شہ پاروں کا جائزہ لینے کے بعد یہ ماننا پڑتا ہے کہ جیسے امام احمد رضا بریلوی کا طرزِ تحریر اور پیرایہ بیان خود بہ خود نکھرا ہوا تھا.....

امام احمد رضا نے اپنی نثر میں بات کو زیادہ طول نہ دیتے ہوئے اختصار کے ساتھ جامعیت کا خیال رکھا ہے..... آپ نے مسئلے کی تشریح و توضیح میں غیر ضروری الفاظ و تراکیب سے گریز کیا ہے..... وہ رموز و نکات جو عام مفتیان کرام کئی صفحات تحریر کرنے کے بعد بھی صحیح طور پر بیان نہیں کر پاتے؛ آپ نے چند سطروں میں بیان کر کے گویا سمندر کو کوڑے میں سمو دیا ہے..... یہی وجہ ہے کہ قاری کو نفیس عبارت کے فہم میں دقت محسوس نہیں ہوتی..... آپ نے اپنی نثر میں شاعرانہ فضا اس انداز سے پیدا فرمائی ہے کہ نثر میں نظم کا لطف و سرور طاری ہو جاتا ہے..... صنعتی گل بوٹے..... استعارات و تشبیہات..... تراکیب و پیکرات..... محاورات و ضرب الامثال..... جابجا مقفا جملوں کا سلیقہ مندانہ استعمال..... طنز و نثریت..... فکری انداز تنقید جیسے عناصر نے مل کر آپ کی نثر کو اردو ادب کا اعلیٰ ترین شاہ کار بنا دیا ہے..... جن کی حلاوت و گھلاوٹ سے قاری پر

وجدانی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے..... اردوے معلّا کی لطافت و طراوت سے چشم و کام و دماغ میں ٹھنڈک و مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے..... اردو نثر میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب کا اس درجہ احسن طرز سے استعمال فرمایا ہے کہ قاری کو بجائے ناگواری کے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی ذہن و قلب پر شیرینی برسا رہا ہے..... کہیں کہیں علاقائی بولیوں اور روزمرہ کے الفاظ تو بڑا لطف دے جاتے ہیں..... جمالیاتی حسن اور پُر کیف منظر کشی کا انداز انتہائی نکھر ا ہوا ہے؛ ایسا لگتا ہے جیسے تحریر میں بیان کردہ مناظر نگاہوں کے سامنے گردش کر رہے ہیں..... تصویریت کا حسن قاری کو شادابی کا احساس دلاتا ہے.....

مختصر یہ کہ امام احمد رضا کی نثری نگارشات کے مطالعہ و تجزیہ سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے الفاظ کی لہروں میں معانی کا سیل رواں لہراتے، بل کھاتے، اٹھلاتے، خوشبو لٹاتے، اور گنگناتے ہوئے وادی دل سے گزر رہا ہے..... کیف و نشاط اور مسرت و بصیرت کا جھونکا ہے کہ کوثر و تسنیم کا ساغر..... جسے دیکھ کر..... پڑھ کر..... سُن کر دل ہی نہیں روح تک مسکرا اٹھتی ہے.....

الغرض امام احمد رضا بریلوی نے اردو ادب کی جو وسیع تر اور گراں قدر خدمات انجام دی ہیں..... اس کے پیش نظر تاریخ اردو ادب کی کتابوں میں نہ صرف یہ کہ آپ کا ذکر خیر ہونا چاہیے تھا..... بل کہ آپ کی خدماتِ جلیلہ کو آپ زر سے جلی حروف میں تحریر کرنا چاہیے تھا..... یہی امر کس قدر حیرت انگیز اور لائق تحسین ہے کہ امام احمد رضا کے دامن میں ہزار کے لگ بھگ کتابیں ہیں..... مگر یہ دیکھ کر میرے دل میں درد و کرب موجیں لینے لگتا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں اُن لوگوں کا ذکر تو ملتا ہے جو امام احمد رضا کے ہم عصر تھے؛ مگر اُن کی حیثیتیں آپ کے سامنے طفلِ مکتب سے بھی کم تھیں..... اور ہاں! اگر کسی کا ذکر نہیں ملتا تو امام احمد رضا جیسے صاحبِ تصانیف کثیرہ، شہنشاہِ عقلمن و عظیم المرتبت شاعر و ادیب کا..... آخر کار آپ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟..... آپ کو ناقابلِ اعتنا کیوں سمجھا گیا؟..... یہ یک طرفہ تاریخ کیوں لکھی گئی؟..... یہ جانب دارانہ رویہ کیوں اپنایا گیا؟..... یہ غفلت کیوں برتی گئی؟..... جو دیکھ رہے تھے، جو سُن رہے تھے، ذکر کیوں نہیں کیا؟ عقل حیران ہے..... دل پریشان ہے..... یقین انگشتِ بدنداں ہے..... انصاف فریادی ہے.....

یاد رہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں امام احمد رضا کا ذکر خیر نہ کر کے مورخین ادب نے اردو کے عظیم ترین سرمایے کے ساتھ سنگین نا انصافی کا مظاہرہ کیا ہے..... یہی نہیں! بل کہ ایک عظیم ادبی جرم کا ارتکاب کیا ہے..... جس کی معافی ناممکن ہے.....

آپ ایسا نہ سمجھیں کہ یہ صرف میرے اپنے دل کا درد و کرب ہے..... نہیں نہیں!..... یہ تو ہر اُس منصف مزاج، ادب پسند طالب علم کا درد ہے..... جس کا ادب کے تئیں یہ نظریہ ہے کہ : ”ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ کرنا اور اپنے مخالف عقیدے و نظریے کے مقلد افراد کی اعلا ترین علمی و ادبی کاوشات سے صرف نظر کرنا؛ ادب کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے.....“

بہر کیف! جو ہوا سو ہوا..... اب وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے محققین و مورخین اور ناقدین کو ادھر ادھر دیکھنے کے بجائے خود کو دیکھنا ہوگا..... اپنے آپ کو محدود فکری بندشوں سے آزاد کرانا ہوگا..... اپنا اندازِ غور و فکر بدلنا ہوگا..... تعصب کے عینک سے اوج انصاف پر آنا ہوگا..... نظریاتی حصار کی قید و بند سے خود کو نکالنا ہوگا..... جانب داریت کے ضرر رساں دائرے کو مٹانا ہوگا..... اپنی زبان کو اپنے دل کا رفیق بنانا ہوگا..... اور امام احمد رضا کی تصانیف کا مطالعہ و تجزیہ کرتے ہوئے؛ دنیاے علم و ادب میں آپ کے مقام و منصب کو بیان کرنا ہوگا..... تاکہ جہانِ فکر و فن کے متوالے امام احمد رضا کے افکار و نظریات سے مکمل طور پر استفادہ کر سکیں..... اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ ہمارے روشن مستقبل کا پیش خیمہ ثابت ہوگا..... اور اگر اس کے برعکس ہوتا ہے تو تاریخ کبھی بھی ہمارے محققین، مورخین اور ناقدین کو معاف نہیں کرے گی..... یاد رہے کہ امام احمد رضا کی جملہ تصانیف ہمارے تاب ناک کل کی ضمانت اور ہماری علمی و فکری، دینی و سیاسی، قومی و ملی، اصلاحی و دعوتی، معاشی و معاشرتی اور تہذیبی و تمدنی ترقیات کا زینہ ہیں.....

دعا ہے کہ رب العزت جل و علا اپنے حبیبِ مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ہمیں حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے (آمین).....

اسی طرح یہ بھی دعا ہے کہ یا الہ العالمین

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشان کو

وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

(آمین بجاو الحبیب الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

محمد حسین مشاہد رضوی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

سر دے نمبر ۳۹ / پلاٹ نمبر ۱۴ / نیا اسلام پورہ،

۲۸ جولائی ۲۰۰۰ء جمعۃ المبارک

مالیگاؤں (ناسک) 9420230235